سیداولادحسین صاحب شاعرو اعظ دربار رامپور نے کیا ہے، اس مین حافظ سیوطی نے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل کتب حدیث سے لکھے ہین، اچھا ہوتا اگر شروع مین حافظ موصوف کے حالات کے ساتھ رسالہ کے حالات بھی لکھے جاتے کہ یہ رسالہ اگر مطبوعہ ہے تو کہان چھپا ہے، اور اگر قلمی ہو تو کہان سے ہاتھ آیا، ز حافظ سیوطی عموماً ہر رسالہ کے آغاز مین کچھ نہ کچھ دیباچہ لکھتے ہین، مگر اس رسالہ سے وہ حصہ حذف کردیا گیا ہے یہ مناسب نہ تھا، پتہ :۔ سید ابن الحسین بذریعہ ملاظریف رامپور اسٹیٹ، قیمت ۸، ر مع محصول،

تہجد کی مناجات، جناب ابوالاثر حفیظ صاحب جالندھری نے خواجہ حسن نظامی صاحب کی فرمائش سے یہ مختصر مناجات، مثنوی کی ایک دلآویز چھوٹی سی بحر مین لکھی ہے، اس مین تہجد کا ذوق وشوق، اور اس وقت کا فطری سمان کھینچا گیا ہے، اس لحاظ سے یہ مثنوی کیفیت رکھتی ہے، لیکن شاعری کے اصول سے یہ بہت کچھ مورد اعتراض بن سکتی ہے، بعض بعض شعرون مین تو سرے سے قافیہ ہی کے اصول کو نظر انداز کردیا گیا،

سب نے وضو کیا ہے	پاکیزہ دل کیا ہے
کچھ کہہ رہے ہین اس سے	کچھ سن رہے ہین اس سے
مرقوم ہو رہی ہین	مقبول ہو رہی ہین

پتہ :۔ حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی، قیمت ۲ ر

اولاد کے کان مین کہنے کی باتین، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے چھوٹے بچون کو سبق دینے کے لیے اپنے چند نصیحت آمیز تجربے یکجا کئے ہین، اور انھین "اولاد کے کان مین کہنے کی باتین" کے نام سے چھوٹی تقطیع کے ۲۰ صفحون پر شایع کیا ہے، لکھائی چھپائی بچون کے پڑھنے کے لائق ہے، قیمت ۸

پتہ :۔ حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی،

"ر"

مجلد ہفدہم | ماہ شوال المکرم سنہ ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۲۶ء | عدد پنجم

مضامین

شذرات

جناب نواب نصراللہ خان بہادر مرحوم کی وفات کے بعد ریاست بھوپال کی ولیعہدی کے مسئلہ نے سخت پیچیدہ صورت اختیار کر لی تھی، اور اس پیرانہ سالی مین دو جوانہ مرگ فرزندون کی وفات کے جانگداز صدمہ کیساتھ یہ مسئلہ بھی سرکار عالیہ والیہ ریاست بھوپال کے اضطراب و پریشانی کا مزید سبب بنگیا تھا، اور چونکہ سرکار عالیہ کی علمی و مذہبی فیاضیون سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ معمور ہو رہا ہے، اسلیے قدرتی طور پر مسلمانون کو بھی اس خلفشار مین ان کے ساتھ دلی ہمدردی تھی، لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایک مدت کی جد وجہد، اور ثبات و استقامت سے معاملہ کا تصفیہ سرکار عالیہ کی خواہش بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ بالکل اصول شریعت کے مطابق ہو گیا اور نواب حمید اللہ خان بہادر ان کے جانشین قرار دیئے گیے اور اب وہ لندن سے فائز المرام ہو کر عازم ہندوستان ہو گئے ہین

مسئلہ ولیعہدی کے طے ہو جانے کے بعد سرکار عالیہ نواب حمید اللہ خان بہادر بالقابہ کے حق مین نظم و نسق حکومت سے بھی دست بردار ہو گئین اور اب نواب حمید اللہ خان بہادر ساحل ہندوستان پر ریاست بھوپال کے مستقل فرمانروا کی حیثیت سے قدم رکھین گے جس کیلئے ہم ان کی خدمت مین اپنی دلی مبارکباد پیش کرتے ہین، اور دعا کرتے ہین کہ ان کا عہد حکومت اُن تمام توقعات کے ساتھ جو ان کی ذات سے بجا طور پر پیدا ہوتی ہین، طویل اور کامیاب ہو، اور ان کے سر پر سرکار عالیہ کا سایہ نہ صرف بحیثیت ایک شفیق ماں کے بلکہ بحیثیت ایک سیاسی رہنما کے بھی تادیر قائم رہے،

یہ توقعات کیا ہین؟ ان کے بار بار دہرانے کی ضرورت نہین، بھوپال کی قدیم تاریخ جو ہر قسم کی مذہبی، علمی اور سیاسی ترقیون اور فیاضیون کا مجموعہ ہے ہر شخص کے سامنے ہے، اور سرکار عالیہ کی ذات بابرکات نے ان کو اور بھی زیادہ وسیع و نمایان کر دیا ہے، اب نواب حمید اللہ خان بہادر جیسے قابل و تعلیم یافتہ فرمانروا کے عہد مین یقین ہے کہ زمانہ بار بار اس تاریخ کا اعادہ کرتا رہے گا،

این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد

اردو زبان کو علمی زبان بنانے کیلئے دوسری زبانون کے علوم و فنون کے ترجمہ کا جو کام ملک مین ہو رہا ہے، اوس کے علاوہ مسلمانون مین، اصلاحی، قومی، تاریخی، اور مذہبی معلومات و خیالات کی اشاعت کے لیے ہندوستان کی دوسری زبانون مین خود اردو کی مستند کتابون کے ترجمہ کی ضرورت ہے، اور ہم کو مسرت ہے کہ اب اس ضروری کام کی بھی ابتدا ہو چکی ہے، اور اس سے زیادہ مسرت یہ ہے کہ ندوہ کے فارغ التحصیل طلبا نے اس ضرورت کی تکمیل مین حصہ لیا ہے،

مولوی عبدالرحمن رنگونی جو ندوہ کے تعلیم یافتہ ہین ندوہ سے نکلنے کے بعد ہی رنگون مین تبلیغی و اصلاحی کامون مین مصروف ہو گئے تھے، اس کے بعد مولوی ابوظفر ندوی نے بھی چند سال رنگون مین بسر کیے اور ان کی وجہ سے ان کامون کو اور بھی زیادہ ترقی ہوئی، چنانچہ ان کی تحریک سے مولانا شبلی مرحوم کے رسالہ آغاز اسلام کا ترجمہ برمی زبان مین ہوا اور اب انجمن تبلیغ الاسلام رنگون نے اسکو چھاپ کر شایع کر دیا ہے، مولانائے مرحوم کی یہ پہلی تصنیف ہے جسکا ترجمہ برمی زبان مین چھپ کر شائع ہوا ہے، اس کے علاوہ سیر النعمان کا خلاصہ بھی برمی زبان مین ہو گیا ہے اور الفاروق کا ترجمہ بھی ہو رہا ہے،

لیکن مولوی عبدالرحمن ندوی کے خط سے یہ معلوم کرکے افسوس اور افسوس کے ساتھ تعجب بھی ہوا کہ رنگون جیسے دولتمند شہر مین اغاز اسلام جیسے مختصر رسالہ کی طبع و اشاعت مین دقت پیش آئی، امرا اور سوداگرون نے تو باوجود کوشش کے اسکی اشاعت کی طرف توجہ نہین کی، لیکن انجمن تبلیغ الاسلام نے اسکو چھاپ کر شائع کیا جس کے لیے وہ مستحق شکریہ ہے،

مسلمانون کا دولتمند طبقہ قومی کامون مین جو فیاضانہ حصہ لے رہا ہے، وہ ہمارے لیے موجب مسرت ہے، لیکن ہم کو اس کے کہنے مین تامل نہین ہے کہ یہ فیاضیان زیادہ تر انھی کامون سے تعلق رکھتی ہین جنمین نام و نمود کی زیادہ توقع ہوتی ہے، باقی خاموش کام ان کی فیاضی سے بہت کم متمتع ہوتے ہین اور اس قسم کے علمی و اصلاحی کامون مین چونکہ شہرت بہت کم ہوتی ہے، اسلئے وہ ہمارے امراء کی امداد سے محروم رہتے ہین، لیکن اگر ہمارے امراء حقیقی طور پر قوم کی خدمت کرنا چاہتے ہین تو ان کو شہرت سے زیادہ کام کی نوعیت و اہمیت کا لحاظ رکھنا چاہیئے، علمی کام گو بہت زیادہ غلغلہ انگیز نہین ہوتے، لیکن قوم کا دماغی انقلاب جو ہر قسم کی ترقیون کا پیش خیمہ ہے، صرف علمی خیالات کی اشاعت سے ہو سکتا ہے،

لڑکیون کو حق وراثت دلانے کی جو تجویز ندوۃ العلماء کے جلسۂ انبالہ مین منظور ہوئی تھی اس کے متعلق فروری کے معارف مین یہ مژدہ سنایا گیا تھا کہ کچھی میمن برادری کے آدھے آدمیون نے قانون اسلامی کو قبول کر لیا ہے اور باقی آدھے آدمیون مین بھی کام ہو رہا ہے، لیکن جن لوگون نے اس قانون کو قبول کر لیا ہے ان کا طرز عمل کیا ہے؟ اس کے متعلق روزنامہ خلافت مین ایک مضمون شائع ہوا ہے، جسکا یہ اقتباس نہایت افسوس کے ساتھ پڑھا جائے گا،

واحسرتا علی العباد گندم نما جو فروشون کا کیا علاج ہے جو ایک طرف ذمیت نامہ کے فارم پر دستخط کر کے اسلامی قانون وراثت پر چلنے کا عہد کرتے ہین، دنیا کے طعن و تشنیع سے جوش مین اگر دستخط کر دیتے ہین مگر دوسری طرف اپنے گھر مین اپنی جائداد لڑکون کے نام منتقل کر دیتے ہین اور مرنے سے پہلے ہی حقیقی ورثار کی محرومی کا سامان کر دیتے ہین

اصل یہ ہے کہ صرف طنز و تشنیع یا فوری جوش سے مدتون کی آبائی رسم و رواج کا قلع قمع نہین ہو سکتا، میمن قوم کے متعلق اس سے پہلے بھی اس سے زیادہ سخت طنز آمیز الفاظ استعمال کیے گئے ہین، چنانچہ بمبئی ہائیکورٹ کے ایک انگریز جج نے اپنے ایک فیصلہ مین لکھا تھا کہ

کچھی میمن زندہ رہتے ہین تب تک مسلمان رہتے ہین مرنے پر ہندو بن جاتے ہین کیونکہ ان کا ورثہ ہندو دھرم شاستر کے موافق تقسیم ہوتا ہے،

مروجہ طریقون پر عام انجمنون، اور مسلمانون کے بڑے بڑے اجتماعی جلسون مین اسکے متعلق تجویزین بھی پیش کیجا سکتی ہین، بہ کثرت رسالے بھی شائع کیے جا سکتے ہین، لیکن جبتک خود اس قوم کے اندر ایسے متعدد مصلحین نہ پیدا ہو جائین جو شب و روز اسی کام مین مصروف رہین، اور بہ کثرت اشخاص کو آمادہ کر کے علمی نمونے قائم نہ کرائین یہ تمام کوششین بے سود رہین گی، ایک مدت کا بگڑا ہوا انتظام ایک مدت ہی کے بعد پھر از سر نو قائم ہو سکتا ہے،

اس شرعی حکم کی علانیہ خلاف ورزی کے ساتھ ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس کا اثر مسلمانون کے تحفظ جائداد پر کیا پڑتا ہے؟ یہ مسلم ہے کہ مرد بہت زیادہ آزاد ہوتے ہین، اور مسلمانون کی جائدادین زیادہ تر انھی کے ہاتھون تلف ہوتی ہین، کچھی میمن برادری مین اس ہندوانہ رسم

کی وجہ سے تمام جائداد صرف لڑکون کو ملتی ہے، اور ان کے متعلق پونہ کے ایک مصلح سیٹھ لکھتے ہین، کہ

لڑکے وغیرہ وارث بنتے ہین مگر اکثر عیاشی، قمار بازی، سٹہ، گھوڑ دوڑ مین دولت برباد کردیتے ہین،

اگر یہ سچ ہے تو علمار کے ساتھ قوم کے دنیادار طبقہ کو بھی اس رسم کے مٹانے کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیئے،

مدارس اسلامیہ کی تنظیم و اصلاح کی ضرورت اگرچہ تمام ہندوستان مین ہے، لیکن بنگال و آسام مین یہ ضرورت سب سے زیادہ ہے، ان صوبون مین مسلمانون کی آبادی اور صوبون سے بہت زیادہ ہے، مدارس بھی بکثرت موجود ہین، اور طلبا کی ایک بہت بڑی تعداد اسلامی علوم و فنون کی تحصیل مین مصروف ہے، لیکن ان مین موجودہ ضروریات و حالات کے مطابق کوئی ایسا دل و دماغ نہین پیدا ہوتا جس پر ان صوبون کو فخر حاصل ہو،

خدا کا شکر ہے کہ خود اہل بنگال کو اس تعلیمی ابتری کا احساس ہوگیا ہے، اور انھون نے تنظیم و اصلاح کی ضرورت کو محسوس کرلیا ہے، چنانچہ گذشتہ ماہ مارچ کے وسط مین جمعیۃ علمائے ہند کا جو سالانہ اجلاس کلکتہ مین ہوا اس کے سلسلے مین بصدارت مولانا محمد ادریس صاحب علمائے بنگال و آسام کے نمایندون کا ایک جلسہ بتاریخ ۱۳ مارچ ایک جامعہ اسلامیہ کے قائم کرنے کے لیے منعقد ہوا اور ابتدائی کامون کے انجام دینے کے لیے ایک کمیٹی قائم ہوئی،

۱۵ مارچ کو جمعیۃ علما کے بنگال کی مجلس منتظمہ کے سامنے جلسہ مذکور کی قرارداد پیش ہوئی، چونکہ جمعیۃ نے خود ۱۵ اگست ۱۹۲۵ء مین ایک جلسہ مین جامعہ کے قیام اور جملہ مدارس اسلامیہ

کی تنظیم کے لیے، ایک کمیٹی قائم کی تھی، اسلیے اس نے اس اجتماع کی قرارداد کو پیش نظر رکھکر ابتدائی انتظامی امور کے انجام دینے کے لیے اس کمیٹی مین مزید ممبرون کو شامل کرلیا،

حال مین اس کمیٹی کے چند ارکین نے جامعہ کے متعلق چند اساسی اصول و ضوابط کا خاکہ تیار کرکے جملہ ممبران کمیٹی و دیگر اہل الرائے کی خدمت مین پیش کیا ہے، اور ۵ مئی ۱۹۲۶ء تک ان سے رائین طلب کی ہین، اور ان رایون کے آنے کے بعد ۹ مئی ۱۹۲۶ء کو کلکتہ مین ایک جلسہ منعقد ہوگا جس مین سب کمیٹی کے تمام ارکان سے اس خاکہ کی منظوری حاصل کیجائیگی،

اس خاکہ مین تعلیم کی مدت سولہ سال رکھی گئی ہے، اور چار درجے (دنیا، وسطی، علیا، تکمیل و خطاب) قائم کیے گیے ہین جو موجودہ زمانہ مین جن علوم و فنون کی ضرورت ہے سب پر حاوی ہین اور درجہ وسطی مین انگریزی، فارسی، سنسکرت اور پالی زبانون مین سے کسی ایک زبان کا اختیار کرنا طلبہ کے لیے لازمی ہوگا، اور علوم و فنون مین ادب، حساب، تاریخ، جغرافیہ، ابتدائی منطق، حکمت جدیدہ، فقہ، ابتدائی عقائد، ابتدائی حدیث، کلام اللہ با ترجمہ، تحریر، تقریر، ورزش، نقاشی کی تعلیم ہوگی، اور بعض پیشے بھی سکھائے جائینگے مثلاً سینا، بننا، طب، دباغی وغیرہ اور اس طرح ایسے علمار پیدا ہوسکین گے جو اپنے کسب معاش مین قوم کی اعانت کے محتاج نہ ہونگے،

درجہ علیا مین بھی اختیاری زبانین تدریجی ترقی کے ساتھ جاری رہین گی، اور علوم و فنون مین قرآن با ترجمہ، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام جدید، ادب، تاریخ، منطق و حکمت جدیدہ، علم الاقتصاد کی تعلیم دیجائیگی، درجہ تکمیل و خطاب مین حسب ذیل علوم و فنون مین سے صرف ایک فنون کی تکمیل کرنی ہوگی،

(۱) حدیث و تفسیر (۲) فقہ و اصول فقہ و کلام،

(۴) ادب عربی، فارسی، اردو، بنگلہ، انگریزی، سنسکرت، پالی مین سے کسی ایک زبان کی تکمیل،

(۵) عیسائی مذہب کی کتابون کا مطالعہ،

(۶) ہندو "

(۷) بدھ " (۸) تاریخ،

ہمارے نزدیک اگرچہ مدت تعلیم زیادہ ہے، تاہم اگر بنگالی طلبار نے صبر و استقلال کے ساتھ اس مدت کو پورا کر لیا تو یقین ہے کہ وہ قوم کی تمام مذہبی و اصلاحی ضروریات کو پورا کر سکین گے،

ہندوستان مین اس وقت جو علمی کام ہو رہے ہین وہ زیادہ تر صرف ترجمہ و تصنیف تک محدود ہین، لیکن یورپ اور دوسرے ممالک اسلامیہ مین ان دونون کامون کے ساتھ ایک اہم علمی خدمت بھی خیال کیجاتی ہے کہ قدیم اور نایاب کتابین جو اب تک غیر مطبوع ہین ان کے متعدد نسخے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالے جائین، اور ان کی تصحیح و مطابقت کیجائے، اس کے بعد ان کو طبع کر کے شایع کیا جائے، ہندوستان اب تک اس حیثیت سے اور تمام ممالک سے بہت پیچھے ہے، صرف دائرۃ المعارف حیدرآباد ایک ایسا علمی مرکز ہے، جو اس خدمت کو نہایت مستعدی کے ساتھ انجام دے رہا ہے، اسلیے اسکی حوصلہ افزائی ہر اہل علم کا فرض ہے،

دائرۃ المعارف کی اس علمی خدمت کا ذکر معارف مین بار بار آتا رہتا ہے، حال مین اس نے امام رازی کی مشہور کتاب مباحث مشرقیہ کو اڈٹ کر کے شائع کیا ہے جسکی قیمت عـــہ ہے، اور سنن بیہقی کی تصحیح ہو رہی ہے، اور اس غرض سے اس کے متعدد نسخے تلاش کیے جا رہے ہین، اب تک صرف دو نسخے فراہم ہو سکے ہین، لیکن مزید نسخون کی ضرورت ہے، اسلیے اگر کوئی صاحب اسکا قلمی نسخہ

عنایت فرمائین گے تو طباعت کے بعد ان کی خدمت مین سنن بیہقی کا ایک نسخہ ہدیۃً روانہ کیا جائیگا، ہم کو امید ہے کہ اہل علم اس طرف اپنی توجہ مبذول فرمائین گے،

اس سلسلہ مین ہم کو ایک اور بات یاد آگئی، کتابون کی طبع و اشاعت سے الگ، اس وقت اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہین کہ ہندوستان مین کسقدر علمی ذخیرہ موجود ہے، تو ہمارے پاس اس کا کوئی ذریعہ نہین، بعض مشہور کتب خانون کی فہرستین بے شبہہ شائع ہو چکی ہین، لیکن ان کے علاوہ ہندوستان مین اور بھی بکثرت چھوٹے چھوٹے پرائیوٹ کتب خانے موجود ہین جنین بعض نہایت نادر قلمی کتابین موجود ہین، لیکن افسوس ہے کہ ہم ان سے ناواقف ہین، کیونکہ ان سے واقفیت حاصل کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہین،

غالباً محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے اس غرض سے ایک شخص کا تقرر کرنا چاہا تھا جو ملک مین دورہ کر کے اس قسم کے تمام پرائیوٹ کتب خانون کی فہرست مرتب کرے، لیکن اس سے زیادہ اسکی آسان صورت یہ ہے کہ جن لوگون کے پاس اس قسم کے کتب خانے موجود ہون وہ خود انکی فہرست مرتب کر کے شائع کر دین، ممکن ہے کہ بعض لوگ اپنے مختصر کتب خانون کو اس قابل نہ سمجھتے ہون لیکن دنیا کی بہترین کتابین صرف ایک الماری مین آسکتی ہین، اگر ان لوگون کے پاس زیادہ کتابین نہین ہین تو اس سے ان کے کتب خانے کی قدر و قیمت مین کوئی فرق نہین آتا، شاید انھی کے مختصر کتبخانون مین اس الماری کی کوئی کتاب موجود ہو، اسلئے ان کو اوسکی فہرست کے شائع کرنے مین دریغ نہین کرنا چاہیئے،

مقالات

مھندسین اسلام

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

اسلام مین سادہ طور پر تعمیرات کا آغاز عہد رسالت ہی سے ہوگیا تھا اور خلفائے راشدین کے زمانے تک عمارتون سے گذر کر متعدد شہر آباد کئے جاچکے تھے اس کے بعد بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور اموی خلفار مین ولید بن عبد الملک نے عمارات کے تعمیر کرنے مین خاص طور پر شہرت حاصل کی لیکن اس زمانے تک ہم کو مسلمان انجنیرون کا بالکل پتہ نہین چلتا، صحابہ کرام کے زمانے تک تو عمارات مین نہایت سادگی ملحوظ رہی، ولید نے بے شبہہ اس قسم کی عظیم الشان عمارتین تعمیر کرائین جو فن انجنیری کا بہترین نمونہ تھین، لیکن اس زمانے تک ہندسہ و ریاضی کی کتابون کا جنسے فن انجنیری کو تعلق ہے ترجمہ نہین ہوا تھا، اسلیے اس زمانے مین بھی کوئی مسلمان انجنیر پیدا نہین ہوا اور ولید کو اس معاملہ مین رومیون سے مدد لینی پڑی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کی عمارتین رومی یا ایرانی طرز پر تعمیر ہوئین، لیکن بعد کو یہ دونون طرز تعمیر مخلوط ہوگئے، اور ان کی ترکیب و اختلاط سے ایک جدید عربی طرز تعمیر پیدا ہوا، جس نے چوتھی صدی اور اس کے بعد کی صدیون مین بہت زیادہ ترقی کی اور سیکڑون مسلمان انجنیر پیدا ہوگئے، لیکن تاریخ اسلام کی یہ افسوسناک کمی ہے کہ ہم کو فقہار، حکمار، اطبار، اور شعرا، وغیرہ کے حالات مین تو سیکڑون کتابین مل سکتی ہین،

مگر اس قسم کے عملی لوگون کے حالات نہین مل سکتے، دور جدید کا ایک روشنخیال مضمون نگار بالکل سچ لکھتا ہے :-

> کہ علم عقود الابنیہ مین جس سے عمارتون کے اوضاع کی حالت، نہرون کے نکالنے بندون کے باندھنے، اور مکانون کی ترتیب و تنظیم کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اس ملک (شام، حلب، دمشق وغیرہ) مین عرب انجنیرون نے نہایت کمال پیدا کیا تھا، اور اگر وہ تھوڑی سی قوت سے بڑی بڑی وزن دار چیزون کے اٹھانے کے لیے آلات جر ثقیل کے ایجاد کرنے مین مہارت نہ حاصل کرتے، تو شہرون قلعون، مکانون، مسجدون اور مدرسون کی تعمیر کی وہ قدرت نہ حاصل کر سکتے جنکا بچا کھچا حصہ بھی ہم کو مبہوت کر رہا ہے، تذکرہ نویسون نے شعرار اور زہاد کے حالات کے جمع کرنے کی طرف جس قدر توجہ کی ہے اگر اسی قدر توجہ انجنیرون اور ریاضی دانون کے حالات کی طرف کی ہوتی تو ہم کو ان کے طرز فن اور علم کے متعلق بہت سی چیزین معلوم ہوتین، لیکن حلب و دمشق کی تمدنی صدیون مین ہم کو دس مسلمان انجنیرون سے زیادہ کے حالات معلوم نہ ہو سکے اور اکثر کے حالات ضائع ہوگئے، ان مین بعض وہ لوگ بھی ہین، جنکے نام ہم شام کے شہرون کے بعض مدارس پر کھدے ہوئے پاتے ہین[1]"

افسوس ہے کہ فاضل مضمون نگار کو جن دس مسلمان انجنیرون کے حالات معلوم ہوسکے، اوس نے اونکے نام نہین بتائے لیکن اسقدر یقینی شہادتون سے ثابت ہے کہ اسلامی تمدن کے زمانۂ شباب مین تعمیرات کا کام بالکل فن انجنیری کے مطابق ہوتا تھا، اور اس معاملہ مین سیکڑون انجنیرون اور ریاضی دانون سے مدد لیجاتی تھی، چنانچہ یعقوبی کتاب البلدان مین لکھتا ہے،

[1] المجمع العلمی العربی صفحہ ۱۱۳،

اس کے بعد ابوجعفر منصور نے انجنیرون تعمیرات، مساحت اور تقسیم اراضی کے عالمون
کے لیے آدمی بھیجے، اسکے بعد اس شہر کی بنیاد ڈالی جو مدینۃ ابوجعفر کے نام سے مشہور ہے،
اور معمار، مزدور، بڑھئی، لوہار، اور کھودنے والونکو بلایا، اور ہر شہر مین فرمان بھیجا
کہ ہر وہ شخص بھیجا جائے جو کچھ بھی تعمیرات کا علم رکھتا ہے، چنانچہ اس کے پاس ایک
لاکھ آدمی مختلف کامون اور پیشون کے جمع ہوگئے ہے[1]

دوسرے موقع پر ایک نہر کے متعلق لکھتا ہے،

"ایسے اصول انجنیری کے مطابق بنائی گئی کہ کسی وقت اس کا پانی خشک نہ ہو[2]"

ایک اور موقع پر لکھتا ہے،

اور معتصم نے ہر شہر سے ایسے اشخاص بلوائے جو کوئی پیشہ کرتے ہون یا تعمیر،
زراعت، باغبانی، پانی کی انجنیری، اوس کے وزن، اوسکے نکالنے اور زمین مین اوسکے
مواقع کا علم رکھتے ہون[3]"

اگرچہ ان مجمل عبارتون سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ اسلامی تعمیرات مین جن انجنیرون سے
کام لیا جاتا تھا وہ کس مذہب یا کس قوم سے تعلق رکھتے تھے، اسلام سے پہلے ایرانیون اور رومیون
نے اس فن مین بہت زیادہ ترقی کی تھی، اسی بنا پر سلطنت امویہ مین صرف انھین سے کام لیا
جاتا تھا، اسلام کا غیر متعصب تمدن اس زمانہ مین بھی ان سے بے نیاز نہ رہا ہوگا، خود اسی کتاب
مین ایک پن چکی کے متعلق لکھا ہے،

ھندسھا بطلیق قدم علیہ من ملک الروم[4] اسکی انجنیری ایک پادری نے کی تھی جو اس کے پاس شاہ روم کے
یہان سے آیا تھا،

[1] کتاب البلدان صفحہ ۲۳۸، [2] " صفحہ ۲۵۰، [3] " " ۲۶۴، [4] " " ۲۴۳،

تاہم اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ ان مین مسلمان انجنیرون کی ایک جماعت بھی شامل تھی،
جنکے نام اس کتاب کے مختلف موقعون پر آئے ہین، چنانچہ ایک موقع پر بغداد کی گلیون کے
متعلق لکھا ہے کہ

عبداللہ بن محرز، حجاج بن یوسف، عمران بن وضاح اور شہاب بن کثیر نے نوبخت اور
ابراہیم بن محمد الفزاری اور طبری منجمین اصحاب حساب کے سامنے انکی انجنیری کی تھی[1]

ایک اور موقع پر لکھا ہے، کہ

متوکل نے ایک ایسا شہر بنانا چاہا جسکی طرف وہ منتقل ہوجائے اور وہ اسکی طرف
منسوب ہو اور اسکی وجہ سے اسکو شہرت حاصل ہو چنانچہ محمد بن موسی منجم کو اور ان انجنیرون
کو جو اس کے یہان موجود تھے حکم دیا کہ ایک جگہ کا انتخاب کرین[2]

لیکن افسوس ہے کہ باوجود تلاش و جستجو کے ہم کو ان انجنیرون کے حالات معلوم نہ ہو سکے،
حجاج بن یوسف کے متعلق اخبار الحکماء مین ایک ضمنی موقع پر صرف اس قدر لکھا ہے کہ ابلونیوس
النجار نے جو کتاب اصول ہندسہ مین لکھی تھی حجاج بن یوسف بن مطر الکوفی نے اس کا ترجمہ کیا تھا[3]
اور محمد بن موسی منجم سے غالباً موسی بن شاکر کا سب سے بڑا لڑکا محمد بن موسی مراد ہے جو اسلام مین بہت
بڑا ریاضی دان گذرا ہے، البتہ ان کے علاوہ ہم کو بعض دوسرے انجنیرون کے حالات ملتے ہین،
جنمین سب سے زیادہ مشہور ابن ہیثم ہے جو بصرہ کا رہنے والا تھا، اور ابتدا مین وزارت کے معزز
عہدے پر فائز تھا، لیکن علم و حکمت کے شوق کی وجہ سے ان مشاغل سے علحدگی اختیار کرنا چاہتا
تھا، اسلیے فتور عقل کا اظہار کیا، یہان تک کہ ایک مدت کے بعد اس عہدے سے الگ کیا گیا،
اس کے بعد اس نے مصر کا سفر کیا اور جامع ازہر مین اقامت اختیار کی، معاش کا ذریعہ یہ تھا کہ

[1] کتاب البلدان صفحہ ۲۴۱ [2] " ۲۶۶ [3] اخبار الحکماء صفحہ ۲۶۴،

ہرسال اقلیدس اور مجسطی کے نسخے لکھتا تھا اور ان کو فروخت کرکے گذر اوقات کرتا تھا[۱]، لیکن علامہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکماء مین لکھا ہے کہ حاکم صاحب مصر نے جو حکمت کی طرف میلان رکھتا تھا، اوس کا اور اس کے اس کمال کا حال سنا تو اوسکی زیارت کا مشتاق ہوا اس کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ ابن ہثیم کا خیال ہے کہ اگر وہ مصر مین ہوتا تو دریائے نیل کے متعلق ایک ایسا کام کردیتا کہ زیادتی اور کمی دونون حالتون مین اس سے فائدہ اٹھایا جاتا تو اس کا شوق اور بڑھا اور اس نے مخفی طور پر اس کے پاس کچھ مال بھیجا اور اس کو حاضر دربار ہونے کی ترغیب دی، چنانچہ وہ مصر کی طرف روانہ ہوا، اور جب وہان پہنچا تو حاکم نے اس کا استقبال کیا اور نہایت عزت کے ساتھ اس کو اپنا مہمان بنایا، جب سفر کی تکان دور ہوگئی تو دریائے نیل کے متعلق اس نے جو وعدہ کیا تھا حاکم نے اس کے ایفاء کا مطالبہ کیا اور وہ کاریگرون کی ایک جماعت کے ساتھ اس کام کے لیے روانہ ہوا، لیکن تمام ملک مین دورہ کرنے سے اوسکو گذشتہ قومون کی تعمیری یادگارون مین انجینیری کے جو عجیب و غریب کارنامے نظر آئے اوس نے اُس کو یقین دلادیا کہ جو اسکیم اس نے بنائی تھی اسکی تکمیل ناممکن ہے، اگر یہ ممکن ہوتا تو گذشتہ قومین اس پر عمل کرچکی ہوتین، اس لیے اسکی ہمت ٹوٹ گئی، جس بلند مقام سے نیل کا پانی گرتا ہے، اس نے اس کا معائنہ کیا اور دونون جانب سے اسکی جانچ پرتال کی تو معلوم ہوا کہ اس کا مقصد پورا نہین ہوسکتا، اب وہ ناکام اور نادم ہوکر واپس آیا اور حاکم سے معذرت چاہی جس کو اس نے قبول کرلیا، اس کے بعد حاکم نے اوسکو بعض دفترون مین ملازم رکھ لیا، جسکو اس نے صرف خوف سے قبول کیا، لیکن چونکہ حاکم سخت متلون المزاج اور سفاک و ظالم تھا اور بلا سبب لوگون کو قتل کردیا کرتا تھا اسلیے ابن ہثیم نے اس تعلق سے آزادی حاصل کرنا چاہی اور جنون و دحشت کا اظہار کیا اور حاکم کے زمانہ وفات تک اسی حالت مین رہا، لیکن حاکم کی وفات کے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا اور اپنے گھر سے نکل کر جامع ازہر کے دروازے کے قبہ مین اقامت گزین ہوگیا اور

[۱] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۹۰

زاہدانہ زندگی بسر کرنا شروع کی اور تصنیف و تالیف مین مشغول ہوگیا اور اسی حالت مین سنہ ۴۳۰ھ کے حدود دیا اس کے کچھ دنون بعد وفات پائی[۱]،

ابن ہثیم نے ریاضی اور ہندسہ کے متعلق جو کتابین لکھی تھین اُن مین ایک کتاب فن تعمیر کے متعلق بھی تھی[۲]، تعمیرات کے علاوہ ہندسہ اور ریاضی سے اور بہت سے عملی کام لیے جاسکتے ہین اور مسلمان ریاضی دانون مین بھی متعدد لوگون کے نام ملتے ہین جنھون نے اپنی ریاضی دانی سے اس قسم کے عملی کام کئے مثلاً ابو الفضل محمد بن عبدالکریم جو ہندسہ دانی مین کمال پیدا کرنے کی وجہ سے مہندس کے لقب سے مشہور تھا، ابتدا مین بخاری اور سنگتراشی کا پیشہ کرتا تھا، اور انھین پیشون کی تکمیل کے لیے اس نے اقلیدس کی تعلیم حاصل کی تھی، خود اس کے ایک دوست کا بیان ہے کہ وہ اس زمانے مین مسجد خاتون مین کام کرتا تھا، اور ہر صبح کو جب وہان پہنچتا تھا تو اقلیدس کی کوئی نہ کوئی بات یاد کرلیتا تھا، راستے مین اور کام سے فارغ ہونے کے بعد بھی اقلیدس کی شکلین حل کرتا رہتا تھا یہان تک کہ جب وہ پوری اقلیدس کو حل کرچکا تو مجسطی کی طرف متوجہ ہوا اور رفتہ رفتہ ہندسہ کی طرف پوری طور پر متوجہ ہوگیا اور اس مین شہرت حاصل کرلی،

نورالدین بن زنگی نے جو بہت بڑا شفاخانہ بنوایا تھا اس کے اکثر دروازے ابو الفضل ہی نے بنائے تھے، اور جامع دمشق کی گھڑیون کی اصلاح بھی اوسی نے کی تھی اور انکی حفاظت و نگہداشت پر اس کو وظیفہ ملتا تھا،

ابو الفضل نے سنہ ۵۹۰ھ مین وفات پائی[۳]،

مہذب الدین احمد بن الحاجب کا نام بھی اسی سلسلے مین داخل ہے وہ دمشق مین پیدا ہوا اور وہین نشو و نما پائی، ایک مدت تک مہذب الدین بن النقاش سے علم طب کی تعلیم حاصل کی

[۱] اخبار الحکماء صفحہ ۱۱۴ — ۱۱۵ [۲] مفتاح السعادۃ جلد اول صفحہ ۳۰۱ — طبقات الاطباء جلد ۲ صفحہ ۱۰ و [۳] طبقات الاطباء صفحہ ۱۸۲

اس کے بعد جب شرف الدین طوسی جو علوم حکمیہ و ریاضیہ مین نہایت کمال رکھتا تھا موصل مین آیا تو ابن حاجب اور حکیم موفق الدین عبد العزیز اس سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے موصل مین آئے، لیکن وہان پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ طوس کو روانہ ہو گیا ہے، چنانچہ ان دونون نے وہان ایک مدت تک قیام کر کے اس سے فائدہ اٹھایا، اس کے بعد ابن حاجب نے اربل کا سفر کیا اور اسکی شاگردی اختیار کی، اور اس نے جو زیج تیار کی تھی اس کے ساتھ اسکو حل کیا، اوس نے اگرچہ علم طب کی تعلیم بھی حاصل کی تھی لیکن اس نے علم طب مین بعد کو شہرت حاصل کی اور پہلے ریاضی دانی مین زیادہ مشہور ہوا، چنانچہ اسی تعلق سے جامع دمشق کی گھڑیون کے متعلق کام کرتا رہا، اس کے بعد طب مین شہرت حاصل کی اور متعدد سلاطین کے دربار مین طبی خدمات انجام دین[1]،

مسلمان ریاضی دانون مین محمد بن علی بن رستم خراسانی نے گھڑی سازی مین زیادہ کمال پیدا کیا تھا، اس لیے وہ ساعاتی کے لقب سے مشہور تھا، اور نور الدین محمود بن زنگی کے عہد مین جامع دمشق کے دروازون کی گھڑیان اسی نے بنائی تھین، اور اس پر اوسکو معقول انعام و وظیفہ ملتا تھا، اور اس نے اپنی وفات تک یہی خدمات انجام دی تھین[2]

ابو زکریا یحیی البیاسی بھی بہت بڑا ریاضی دان تھا، اور اس نے اپنی ریاضی دانی سے متعدد عملی کام کئے تھے، وہ اندلس کا رہنے والا تھا، لیکن بعد کو مصر مین چلا آیا اور وہان ایک مدت تک قیام کیا اس کے بعد دمشق کی سکونت اختیار کی اور وہان ابن نقاش بغدادی سے تعلیم حاصل کرتا رہا، وہ نجاری سے بھی واقف تھا اور ابن نقاش کے لیے متعدد آلات بنائے تھے جنکا تعلق علم ہندسہ سے تھا، وہ موسیقی مین بھی کمال رکھتا تھا اور ایک ارگن باجہ تیار کیا تھا[3]،

مسلمانون مین سے سب سے بڑے ریاضی دان بنو شاکر گذرے ہین، اور علم جر ثقیل مین اون کی

[1] طبقات الاطبار جلد دوم صفحہ ۱۸۲ [2] ؍؍ صفحہ ۱۸۴ [3] ؍؍ صفحہ ۱۶۳،

کتاب حیل بنی موسی کے نام سے مشہور ہے، ہم کو معلوم نہین ہے کہ خود بنو شاکر نے اس فن سے کوئی عملی کام لیا تھا، یا نہین؟ تاہم ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ بعض ریاضی دانون نے اس کتاب سے فائدہ اٹھایا اور اس سے بہت سے عملی کام لیے، چنانچہ طبقات الاطبار مین سدید الدین بن رقیقہ کے حال مین لکھا ہے،

ونظر فی حیل بنی موسی وعمل منھا اشیاء مستظرفة[1] — اس نے حیل بنی موسی کو دیکھا اور اُس سے بہت سی نادر چیزین بنائین،

مسلمان انجنیرون مین سب سے بڑا عملی کام ابو الصلت امیہ بن عبد العزیز بن ابی الصلت نے کرنا چاہا تھا، اور گو اُس کو اس مین نہایت افسوسناک طور پر ناکامی ہوئی تاہم اس ناکامی کا تعلق صرف آخری نتیجہ سے ہے، ورنہ جہان تک فن انجنیری کا تعلق ہے اس نے تمام آلات فراہم کر لیے تھے، اور ایک حد تک نتیجہ مین بھی کامیاب ہو گیا تھا،

علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبار مین اس عملی کام کی تشریح ان الفاظ مین کی ہے،

اسکندریہ مین پیتل سے لدا ہوا ایک جہاز پہنچا اور وہ اس کے قریب غرق ہو گیا، اور چونکہ سمندر کی گہرائی کی مسافت بہت زیادہ تھی اس لیے ان کے پاس اس کے بچانے کی کوئی تدبیر نہ تھی، لیکن ابو الصلت نے اس معاملہ مین خوب غور کیا تو اُس کو ایک تدبیر معلوم ہوئی اور اُس نے افضل بن امیر الجیوش شاہ اسکندریہ سے ملاقات کر کے یہ ظاہر کیا کہ اگر تمام ضروری آلات مہیا کر دیئے جائین تو وہ جہاز کو مع اس کے سامان کے نکال سکتا ہے اس نے تعجب اور مسرت کے ساتھ اس کو اجازت دی اور تمام آلات مہیا کر دیئے، اور اس پر بہت سا روپیہ صرف کیا، جب یہ تمام آلات مہیا ہو گئے تو اس نے ان سب کو ایک بڑے جہاز مین رکھا،

[1] طبقات الاطبار جلد دوم صفحہ ۲۴۰،

اور اسکو ڈوبے ہوئے جہاز کے سامنے کھڑا کیا اور اسکی طرف ریشم کی بٹی ہوئی رسیان لٹکائین اور ایک جماعت کو جسکو بحری امور سے واقفیت حاصل تھی حکم دیا کہ غوطے لگائین اور رسیون کو ڈوبے ہوئے جہاز مین باندھ دین، جس جہاز مین وہ لوگ تھے اُس نے اس مین وزنی چیزون کے اٹھانے کے لیے ہندسی اشکال کے مطابق آلات بنائے تھے، اور ان آلات سے کام لینے کا طریقہ اس جماعت کو بتا دیا تھا، چنانچہ وہ لوگ اس طرح کام کرتے رہے، اور آہستہ آہستہ ریشمی رسیان انکی طرف اٹھتی ہوئی چلی آتی تھین، اور ان کے سامنے چرخون پر لپٹتی جاتی تھین، یہان تک کہ ڈوبا ہوا جہاز نمایان ہو گیا اور پانی کی سطح تک ابھر آیا لیکن اس کے بعد ریشم کی رسیان ٹوٹ گئین اور جہاز پھر ڈوب گیا، ابو الصلت نے اپنی صنعت و تدبیر مین بے شبہہ نہایت مہارت سے کام لیا تھا لیکن تقدیر نے اوسکی مساعدت نہین کی اور بادشاہ کو اس تاوان اور آلات کے ضائع ہونے پر بہت غصہ آیا اور اوس کے قید کرنے کا حکم دیا،[1]

ہندسین اسلام کے نامون کی یہ ایک نہایت مختصر فہرست ہے، ورنہ تاریخ اسلام کے ہر دور مین تعمیرات وغیرہ کے متعلق جس کثرت سے عملی کام ہوتے رہے ہین، اوس کے لحاظ سے ہم کو یقین ہو کہ مسلمانون مین انجینیرون کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی جنکے حالات مین اگرچہ مستقل کتابین نہین لکھی گئین تاہم ضمنی طور پر ان کے نام مختلف تاریخون مین مل سکتے ہین،

---

[1] طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۵۳

علم التاریخ

از

سید محمد محسن ترمذی، ادیب فاضل،

تاریخ کی تعریف

دنیا مین جتنے کام ہو رہے ہین، ان سب کی وجوہات کچھ عرصہ پہلے معرض وقوع مین آچکی ہوتی ہین، اسباب و علل شروع سے ہی پیدا ہوتے رہتے ہین اور ان سب کے مل جانے سے کام کی جو صورت پیدا ہو جاتی ہے وہ فعل یا واقع کے نام سے مشہور ہو جاتی ہے، اسی طرح اور بہت سے طریقون سے اس نظریہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ اسی قبیل سے علم التاریخ ہے، دور تمدن سے پہلے بھی اس کا ہیولی موجود تھا مگر تمدن کے زمانہ مین پہنچکر اس نے ایک باقاعدہ شکل اختیار کر لی جس کا نام معروف عوام ہے، تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات مین جو تغیرات پیدا کئے ہین اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونون کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے، ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے کہ ان حالات اور واقعات کا پتہ لگانا جنسے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گذشتہ زمانے سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے، یعنی چونکہ یہ مسلم ہے کہ آج دنیا مین جو تمدن، معاشرت، خیالات، مذاہب موجود ہین سب گذشتہ واقعات کے نتائج ہین جنکو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونا چاہیئے تھا، اسلیے ان گذشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گذشتہ واقعات سے کیون کر پیدا ہوا اسی کا نام تاریخ ہے، گویا تاریخ مین دو باتین ضرور مذکور ہونی چاہئین جنکے بغیر یہ کام ادھورا ہی رہتا ہے، اولاً جس عہد کا حال قلمبند کیا جائے اس کے مختلف جزئیات پر بحث ہونی لازمی امر قرار دے لیا جائے، یعنی تمدن، اخلاق، طرز معاشرت، طرز حکومت، عادات اور تعلیم و تربیت پر اچھی طرح روشنی ڈالی جائے، ثانیاً

تمام واقعات مین سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے،

تاریخون کے نقص اور ان کے اسباب، قدیم تاریخون مین یہ دونون چیزین مفقود ہین، رعایا کے اخلاق و عادات اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہین آتا، فرمانروائے وقت کے حالات ملتے ہین لیکن ان مین بھی فتوحات اور خانہ جنگیون کے سوا اور کچھ نہین ہوتا، یہ نقص محض ہندوستانی تواریخ مین ہی نہین بلکہ مغربی تواریخ کا بھی یہی انداز تھا اور ایسا ہونا مقتضائے انصاف تھا، مشرق و مغرب مین ہمیشہ شخصی حکومتون کا رواج رہا اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزین ہیچ ہوتی تھین ان کا لازمی اثر یہ تھا کہ تاریخ کے صفحون مین شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے، اور چونکہ اس زمانے مین قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی اسلیے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بیفائدہ تھا، ایک اور بڑا سبب یہ بھی ہے کہ آج تک یہ فن علم ادب کے جاننے والون ہی کے ہاتھ مین رہا ہے، ورنہ جو جو خلاف عادت واقعات تواریخ قدیمہ مین بکثرت پائے جاتے ہین بالکل نظر نہ آتے، علم ادب مین صداقت واقعات کی طرف اتنی توجہ مبذول نہین کیجاتی جتنی کہ اس سے دلکش اور دلفریب بنانے مین خرچ کیجاتی ہے، مؤرخ تاریخ جیسے سنجیدہ مضمون کو افسانون کی طرز مین ادا کرتا ہے جس سے کہ اصل واقعہ سے لازمی طور پر کنارہ کشی کرنی پڑتی ہے، اس کے علاوہ یہ نقص بھی بکثرت پایا گیا ہے کہ مؤرخ جس عقیدہ کا ہوتا تھا اپنے ہم عقیدہ فرمانرواؤن کی خوب جی بھر کر قصیدہ خوانی کرتا تھا اور اپنے مخالفین کی ہجو مین پورے طور پر زور قلم دکھاتا تھا،

تاریخ کا ماخذ، گذشتہ واقعات اور خاص کر ایام جاہلیت کے حالات ہماری نظرون سے اوجھل ہین متفرق واقعات کے ملانے سے چند سلسلہ وار واقعات بنائے گئے ہین اور یہی ان ایام کی تاریخ ہے، ہم تک ان واقعات کے پہنچنے کے چند ذرائع ہین جنکی بدولت ہم ان سے آگاہ ہوئے ہین،

کتب مذہبی، اس سلسلہ مین سب سے پہلے مذہبی کتب کو اہمیت حاصل ہے، احکام مذہبی کی بدولت بہت کچھ یہ پتہ چلتا ہے کہ جن لوگون کے لیے یہ صادر کئے گئے تھے وہ کس قماش کے تھے، مزید بران انجیل، توریت، زبور اور قرآن مجید مین تو ابتدائے آفرینش سے لیکر ان کتابون کے نازل ہونے کے وقت تک کے اکثر واقعات ضرور مذکور ہین، بنی اسرائیل کا واقعہ جس سے کہ مؤرخ بہت کچھ نتائج پیش کر سکتے ہین، قرآن شریف مین مفصل موجود ہے، رامائن اور مہابھارت جو ہندؤن مین مذہبی کتابون کا درجہ رکھتی ہین ہندوستان کی تاریخ کے دو معرکۃ الآرا واقعات کی مفصل کہانیان ہین جن سے نہ محض ان کی طرز حکومت کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس کے پہلو بہ پہلو لوگون کی عادات، اطوار، اخلاق اور طرز معاشرت پر بھی اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے، مسلمانون مین قرآن مجید سے دوسرے درجہ پر فرمان رسول صلعم یعنی حدیث ہے، حدیث مین واقعات جس صحت اور اصول روایت و درایت پر پرکھ کر مندرج کئے گئے ہین وہ محتاج بیان نہین، ان واقعات سے بھی اس زمانے کی روش زندگی اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے، گویا تاریخ کے ماخذ کے سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی مذہبی کتب ہین،

سیر سلاطین، مذہبی کتب سے دوسرے درجہ پر سیر سلاطین ہین، بعض فرمانروا اپنے حالات زندگی تو خود ہی قلمبند کرتے تھے اور بعض کے حالات لوگون نے تحریر کئے ہین، مثلاً مغل سلاطین نے اس کام مین خاص درجہ امتیاز حاصل کیا ہے، بابر کی تزک کو کون نہین جانتا جس جس ملک مین وہ پہنچا ہے وہان کے حالات اس خوبی اور خوش اسلوبی سے سلک تحریر مین منسلک کئے ہین کہ خود اہالیان ملک بھی اس خوبی سے تحریر کرنے سے قاصر رہتے، چنانچہ اپنے سفر ہندوستان کے دوران مین یہان کی ہر چیز پر مفصل و مکمل بحث اسکی تزک مین موجود ہے، یہان کی آب و ہوا، پیداوار، باشندے اور دیگر حالات ملکی نہایت عمدگی سے لکھے ہین، اور ایک بابر پر کیا منحصر ہے، جہانگیر اورنگ زیب سب کے سب ملکی حالات اچھی طرح سے قلمبند کرتے رہے ہین، وہ سوانحعمریان جو اور لوگون نے بادشاہون کی تحریر کی ہین خواہ نظم ہون یا نثر واقعات گذشتہ کی دھندلی سی تصویر تو ضرور پیش کرتی ہین، لیکن صداقت

سے نظم مین اکثر پرے ہٹ کر چلنا پڑتا ہے، مگر پھر بھی ان سے بہت کچھ مدد ملتی ہے، شاہنامہ اور سکندر نامہ سے کون واقف نہین اگرچہ وہ ادبی نقطۂ نظر سے تحریر کیگئی ہین اور صداقت کی بجائے مضمون آفرینی کا زیادہ خیال رکھا ہے مگر وہ بھی ایک عمدہ تاریخ کی فہرست مین نہین، تو درمیانی درجہ مین ضرور شامل کیجا سکتی ہین،

آثار قدیمہ ان کے بعد آثار قدیمہ کا نمبر آتا ہے، پرانے زمانے کی عمارتین اپنے بنانے والے کی عظمت و صولت زبان حال سے پکار پکار کر سنا رہی ہین، ان سے لوگون کی صنعت و حرفت کا نقشہ دل پر اچھی طرح سے جم جاتا ہے، اشوکا بکرماجیت کے وقت کی عمارتون سے جو نواح بنارس اور آگرہ مین پائی جاتی ہین، صاف پتہ چلتا ہے کہ ان لوگون مین فن تعمیر کا ملکہ کہان تک ترقی پذیر تھا، قطب صاحب کی لاٹ تاج محل آگرہ اپنے زمانۂ تعمیر کے لوگون کی قابلیت اور مذاق عام کا اچھی طرح نشان دے رہی ہین ایک عمارتون پر ہی کیا منحصر ہے زمانۂ قدیم کی ہر چیز واقعات گذشتہ کی سچی تصویر کھینچ دیتی ہے، پرانے زمانے کے آلات حرب و سامان رہائش سے لڑنے اور رہنے سہنے کا طریقہ اچھی طرح معلوم ہوتا ہے گویا آثار قدیمہ بھی تاریخ کا ایک زبردست ماخذ ہین،

زبانی روایتین جہان واقعات گذشتہ کے معلوم کرنے کے اور بیشمار ذرائع ہین وہان ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ اپنے بزرگون سے سینہ بسینہ واقعات گذشتہ ہم تک پہنچتے ہین، اکثر واقعات ایسے ہین جو تاریخ مین مذکور نہین ہین مگر زبان زد خلائق ہین اور ان کی صداقت پر خود ان کی ذات ہی گواہ ہے کیونکہ وہ نہایت معقول اور سنجیدہ ہین، اور اگر سچ پوچھو تو سب سے معتبر ذریعہ یہی ہے احادیث رسولؐ جو آج عالم اسلام مین ہر طفل مکتب کی نوک زبان ہین سب کی سب محدثین تک ایک دوسرے کی معرفت پہنچتی ہین، اب رہا یہ معاملہ کہ کسی راوی نے وہ واقعہ جھوٹ موٹ نہ بنا دیا ہو یہ اچھی طرح سے تحقیق کر لیا جاتا ہے کہ راوی کس شخصیت کا آدمی تھا اور کیا یہ اس سے ممکن نہ تھا کہ اس نے یہ

واقعہ دیکھا، لیکن بحث طویل ہے ہم اس مضمون مین آگے چل کر بتائین گے کہ کس طرح واقعات کی نسبت صداقت کا یقین کیا جا سکتا ہے،

صحت واقعات ہم اپنے مضمون کی گذشتہ سطور مین قدیم تاریخ کے نقص بیان کرتے ہوئے اس امر کو واضح کر دیا تھا کہ تاریخ قدیم مین واقعات کی صحت کا خاص خیال نہین رکھا گیا، واقعات کی صحت تاریخ مین اسی قدر ضروری ہے جس قدر زندگی کے لیے ہوا، کیونکہ اس کے بغیر تاریخ صحیح معنون مین تاریخ نہین رہتی بلکہ ناول یا افسانہ بنجاتی ہے، اور وہ فوائد جو اصل مضمون سے دنیا کو حاصل ہوتے ہین ان سے محروم رہنا ایک یقینی امر ہو جاتا ہے، ہم ذیل کی چند سطور مین اس امر کو ناظرین کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرین گے کہ واقعات گذشتہ کو کس کسوٹی پر پرکھنے سے ان کی اصلیت معلوم ہو سکتی ہے:-

اولاً یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ جو واقعہ مورخ بیان کر رہا ہے کیا اسکا ہونا ممکن بھی ہے یا محض زبانی جمع خرچ ہے، مثلاً اگر مؤرخ بیان کرے کہ فلان بہادر نے فلان پہاڑ کو ہاتھ پر اٹھا لیا، تو مذہبی حیثیت سے ہم اس واقعہ کو تسلیم کر لین گے مگر عقل سلیم صاف بتائے گی کہ اس کا ہونا ناممکن ہے اسی طرح اور بہت سے واقعات تاریخ مین نظر آئین گے جو اصول عادت کی رو سے ممکن نہین ہین،

ثانیاً یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ جو واقعہ ہوا ہے عام لوگون کا میلان بھی اس طرف ہے یا نہین، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ عام لوگون سے یہ توقع ہو سکتی تھی کہ وہ واقعہ ظہور مین آتا تو ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ یہ واقعہ درست ہے، مثلاً روما کی سلطنت مین "سیافی" کے مظالم بڑی کثرت سے ہوا کرتے تھے آج بادی النظر مین اس کا ہونا ناممکن نظر آتا ہے، مگر حقیقت یون ہے کہ دولت کی افزونی نے اہل روما کو تفریح طبع کے مشاغل ڈھونڈھنے کا عادی بنا دیا تھا، چنانچہ جدت پسند طبائع نے اول اول مینڈھون، بکرون اور مرغون کو آپس مین لڑانا شروع کیا، رفتہ رفتہ آدمی

ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے مصنوعی لڑائی نہیں بلکہ اصلی جنگ سے بھی زیادہ خوفناک لڑائی شروع کر دیتے، بادی النظر میں ان خوفناک مظالم کا پیش آنا محض افسانون تک محدود نظر آتا ہے مگر واقعات ایسے تھے اور لوگون کی طبائع ایسی ہی ہو چکی تھین کہ یہ واقعہ پیش آتا، اس سے واضح ہو گیا کہ امتحان صداقت کا دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ اس عہد کے لوگون کے میلان عام کو دیکھا جائے اور پھر اس سے نتیجہ پر پہنچا جائے تو کامیابی کی زیادہ توقع ہے، ثالثاً یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ جو واقعہ کہ مذکور ہو رہا ہے اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت قوی ہے یا نہیں یعنی اگر کوئی معمولی آدمی ہو اور اس سے کوئی بڑا کام سرانجام پا جائے یا اس کو کسی اعلیٰ عہدہ پر سرفراز کر دیا جائے اور وہ کوئی خاص کام کر دے جو چندان معمولی نہ ہو بلکہ ایک خاص اہمیت لیے ہوئے ہو ایسے موقع پر ہمارا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ اس ثبوت کو معلوم کرین جسکی بنا پر مورخ کو یہ تحریر کرنے کی جرأت ہوئی اگر ثبوت کسی ثقہ اور متین آدمی کی طرف سے یا معتبر مصنف کی تصنیف ہے تو وہ واقعہ قابل یقین ہوگا، ورنہ برعکس، مثال کے طور پر نظام سقہ اور ہمایون کا واقعہ ہے جو عام تاریخون مین مذکور ہے، یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہین ہے، ایک پانی بھرنے والے کا اقلیم ہندوستان پر جلوہ افروز ہو جانا اور اپنے نام سے احکام اور فرامین جاری کرنا کوئی معمولی واقعہ نہین ہے، ایسے موقعہ پر ہم لازمی طور پر ثبوت کی وقعت کو دیکھین گے اور اس سے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرین گے،

تاریخ اور دور تمدن ہمارے اس مختصر سے مضمون مین جو کچھ ابھی تک مذکور ہوا ہے وہ محض زمانۂ گذشتہ اور خاص کر زمانۂ جاہلیت کی تاریخ سے تعلق رکھتا تھا اب ہم اس مقام پر پہنچتے ہین کہ دور تمدن مین تاریخ کی کیا حالت ہے؟ تاریخ کو جو اہمیت دور تمدن مین حاصل ہوئی ہے وہ اہمیت زمانۂ جاہلیت مین اسے بالکل حاصل نہ تھی، آثار قدیمہ جو گذشتہ زمانے کی یاد کو تازہ کرتے ہین آجکل یعنی دور تمدن مین ایک خاص اہمیت لئے ہوئے ہین دولت برطانیہ نے ایک محکمۂ آثار قدیمہ قائم کیا ہے جس کے عملہ کا

کا فرض صرف یہ ہے کہ آثار قدیمہ کی حفاظت خاطر خواہ کیجائے، یہ جد و جہد محض اسی لیے ہے کہ وہ تاریخ کے ایک زبردست ماخذ ہین اور ان کا قائم رکھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس فن کو فنون ضروریہ مین جگہ مل چکی ہے، علاوہ ازین گذشتہ زمانہ کے آلاتِ حرب اور دیگر سامانِ معیشت جہان کہین سے مہیا ہوتے ہین عجائب خانون مین بحفاظت تمام رکھے جاتے ہین، مزید معلومات بہم پہنچانے کے لیے گورنمنٹ عالیہ ہر وقت کوشان رہتی ہے، چنانچہ شمالی پنجاب مین حال ہی مین ایک زمین دوز شہر جو اشوک کے وقت کا معلوم ہوتا ہے نکلا ہے، اور ماہرین کیمیا نے بتایا ہے کہ کسی سخت بھونچال کی وجہ سے یہ شہر دب گیا ہے، زمین کھودی جا رہی ہے اور پرانی اشیا مقدار کثیر مین ہاتھ لگی ہین، یہ سب کوششین محض اسی لئے ہین کہ گذشتہ زمانے کی نسبت جس قدر بھی معلومات بہم پہنچ سکتی ہین، بہم پہنچائی جائین تاکہ فن تاریخ مکمل صورت مین دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے، یونیورسٹیون مین بھی اس فن کو خاص اہمیت حاصل ہے، طلبا کو اس شاخ مین ایک نمایان ترقی حاصل کرنے کے مواقع دیئے جاتے ہین، بڑی بڑی مجالس محض اس فن کی تکمیل کے لیے بنی ہوئی ہین اور وہ ہمیشہ اپنی طرف سے بڑے بڑے لائق لوگون کو محض انھی معلومات مین اضافہ کرنے کے لیے بھیجتی رہتی ہین ان سب باتون سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ زمانۂ گذشتہ کی طرح اب نامکمل اور ادھوری نہ رہے گی بلکہ اس مین ہر قسم کی معلومات کا ایک ذخیرۂ عظیم نظر آئے گا، وہ ماضی کی ایک سچی تصویر ہوگی، اور آنیوالی نسلون کو ان کے اسلاف کے کارہائے نمایان اچھی طرح بتایا کرے گی،

فوائد مطالعہ علم التاریخ تاریخ کی اہمیت اس کے ماہرین کو اچھی طرح سے معلوم ہے عوام الناس کے لیے یہ محض افسانہ ہے اور اکثر لوگ اسے پڑھتے بھی اسی لئے ہین مگر اس کے برعکس تاریخ ایک مفید مضمون ہے، چنانچہ ذیل کی چند سطور مین ہم اس کے چند بڑے بڑے فوائد قلمبند کرتے ہین جس سے اچھی طرح عیان ہو جائیگا کہ تاریخ کس قدر اہم مضمون ہے،

اصلاحِ اخلاق

سب سے بڑا فائدہ جو مطالعہ علم تاریخ سے حاصل ہوتا ہے یہ ہے کہ انسان کا اخلاق بہتر بن اور عمدہ بن سکتا ہے، جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہین تاریخ مین گذشتہ اقوام کے ہر فعل پر بحث ہوتی ہے اخلاق، تمدن اور معاشرت وغیرہ سب کچھ اس مین مفصل اور مکمل طور پر بتایا جاتا ہے، مطالعۂ تاریخ سے لازمی طور پر ہم لوگون کے اشغال روز انہ سے مطلع ہو جائین گے، اُن کے عادات و اطوار بھی ہم سے چھپی نہ رہینگے، اور اس کے بعد جو نتائج کہ حاصل ہوئے ہونگے وہ بھی ہم سے چھپے نہ رہین گے اگر ان کامون کا نتیجہ اچھا رہا ہوگا تو یقینی طور پر ہم کو بھی اس اچھے کام کرنے کی ترغیب ہوگی، مثال کے طور پر ہم تاریخ ہند کے ایک اہم واقعہ کو لیتے ہین جے چند اور پرتھوی راج جو بھائی بھائی تھے، کس طرح دوسری اجنبی قوم کے ہاتھون تباہ ہوئے، آپس کی مخالفت نے کسی کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا، آخر کار دونون فنا ہو گئے اور ایک تیسرا غیر شخص آکر کشورِ ہندوستان پر جلوہ فرما ہو گیا، کورؤن کے پانڈون کو دھوکا دینے اور انھین سخت اذیتین پہنچانے کے حالات سے کون نا واقف ہے اور آخر جو اُنکا انجام ہوا وہ بھی اظہر من الشمس ہے، سری رام چندر جی کی اطاعتِ والدین ان کے دنیا مین نامور ہونے کا ایک بڑا زبردست ذریعہ ہے، ان واقعات کو پڑھ کر ہمارے دلون مین تحریک ہوتی ہے کہ اچھے لوگون کا اتباع کرین، صداقت کے لیے جان دیدینا اور حق پر دنیا کو لات مارنا ایک مسلمہ نیک کام ہے مگر لوگون کو اگر یہ نصیحت محض انھی خشک الفاظ مین کیجائے تو ان پر کوئی اثر نہین پڑتا، ہان کسی تاریخی واقعہ سے نتیجہ نکال کر ان کے قلوب کو مسخر کرنا اور ہی معنی رکھتا ہے، قصہ کوتاہ مطالعۂ علم تاریخ کا روحانی فائدہ اصلاحِ اخلاق ہے، اور یہی وہ فائدہ ہے جس سے انسان میدانِ ترقی مین گامزن ہو سکتا ہے،

تعلیم و تربیت مین اصلاح

تعلیم و تربیت ایک ایسا اہم مضمون ہے کہ ہر کہ و مہ اس سے بخوبی واقف ہے، اقوام عالم کی ترقی کا دارومدار بہت کچھ اسی پر ہے، تاریخ کا مطالعہ ہمین پرانے طرز تعلیم سے واقف کریگا

اور جو نقائص یا محاسن اس طرز عمل مین تھے ان سے بھی ہمین ضروری طور پر آگاہی دلائے گا، جن سے ہم اپنے طرز تعلیم کو عمدہ اور مفید مطلب بنا سکتے ہین، گذشتہ زمانہ مین ذہنی تعلیم پر زیادہ زور دیا جاتا تھا جس سے انسان کے قوائے ذہنیہ کو تو ضرور ترقی ہوتی تھی مگر طالب علم خود کسی فعل پر اقدام نہ کر سکتے تھے، بعض ممالک مین اب بھی اوسی فرسودہ طریقہ پر عمل ہو رہا ہے، چنانچہ جیسا کہ موسیو لیبان اپنی تصنیف سائیکالوجی آف دی کراؤڈ یعنی روح الاجتماع مین تحریر فرماتے ہین:-

"ایک بڑی اصل جس پر ہماری تربیت کی بنیاد رکھی گئی ہے یہ ہے کہ قوتِ حافظہ عقل کو ترقی دیتی ہے، اس سے ہماری تعلیم مین اس بات کا زیادہ خیال کیا جاتا ہے کہ حتی الامکان قوتِ حافظہ کو ترقی دینا چاہیئے اور اس اصول پر اس مضبوطی سے عمل کیا جاتا ہے کہ پرائمری اسکولون کالجون بلکہ ٹرننگ کالجون مین بھی قوتِ حافظہ ہی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے جسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ طالب علم از خود کسی عمل پر اقدام نہین کر سکتے کیونکہ تعلیم کا مدعا تو ان کی نگاہ مین اب صرف یہ رہ گیا ہے کہ وہ واقعات کو حفظ کرلین اور دوسرون کی آرا کے آگے سر جھکا دین"

موسیو لیبان نے جو ایک فرانسیسی فاضل تھے فرانس کی تعلیمی حالت کا نقشہ کھینچا ہے مگر زمانۂ ماضی مین ایشیا مین بھی زیادہ تر تعلیم کا مقصد یہی خیال کیا جاتا رہا ہے، تاریخ سے ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ کن کن معائب نے اس تعلیم کو نقائص کا مجموعہ بنا دیا اور کس طرح ہم ان کو متبدل بہ محاسن کر سکتے ہین، برطانیہ نے اسی لیے تعلیم کی نسبت عمل پر زیادہ زور دیا ہے اور اسی مین ترقی کا راز مضمر ہے، چنانچہ موسیو "تائن" نے لکھا ہے کہ "انگلستان مین ڈاکٹر ہسپتالون مین اور انجنیر کارخانون مین پیدا کئے جاتے ہین، نہ کہ کالج کی شاندار عمارتون مین" اور یہی انگلستان کے مطالعۂ تاریخ کے بعد تجارب کا نتیجہ ہے کہ وہان کے تعلیم یافتہ وہ کام جنکو ہم رذیل خیال کرتے ہین، خوشی خوشی کرتے ہین، ناظرین سمجھ گئے ہون گے کہ وہ سب کام جنھین اہل فرانس باعثِ ذلت سمجھتے ہین،

انھین مین ولایت والون کی ترقی کا راز پنہان ہے، یہ ایسا کیون ہے محض اسلیے کہ فرانس کی تعلیم ان کے طرزِ معاشرت کے مطابق نہین ہے اور یہ محض اسلیے ہے کہ اہل فرانس مطالعۂ تاریخ کے اس قدر دلدادہ نہین ہین جسقدر کہ اہل انگلستان، توگویا مطالعۂ علم التاریخ سے جو دوسرا فائدہ ہمین حاصل ہوتا ہے، وہ تعلیم و تربیت مین اصلاح ہے،

نظام حکومت مین اصلاح

مطالعۂ تاریخ سے جو تیسرا فائدہ حاصل ہوتا ہے، وہ نظامِ حکومت اور طرزِ حکومت کی اصلاح ہے، پرانی تاریخون مین اقوام کے تمدن و معاشرت، اخلاق و عادات پر اتنی بحث نہین کیگئی جتنی کہ ان کے طرزِ حکومت پر کیگئی ہے، اسلیے اور فوائد اس خوبی سے ہمین حاصل نہین ہوسکتے جتنے کہ نظام و طرزِ حکومت کے متعلق ہوسکتے ہین، جو جو خرابیان پرانی حکومتون مین تھین وہ آج خال خال حکومتون مین نظر آتی ہین جسکی وجہ محض مطالعۂ تاریخ ہے، گذشتہ عہد مین شخصی حکومتین عالمگیر تھین مگر دورِ حاضرہ مین نیابتی حکومتین ان کی جگہ لیے ہوئے ہین، کیونکہ شخصی حکومتون مین بہت سے نقصان ہوتے تھے، بادشاہ کو کلی اختیار ہوتا تھا کہ جو حکم چاہے دے، خواہ اس سے کسی کی ضمیر کو صدمہ پہنچے یا اس کے جذبات پامال ہون، اسے کچھ پروا نہ ہوتی تھی، اسی لیے جماعت ہاے انسانی اکثر مشتعل ہوکر ارتکاب جرائم پر آمادہ ہوجاتی تھین اور شخصی حکومت کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی تھین، یہی وجہ تھی کہ کسی شخصی حکومت کا قیام زیادہ عرصہ تک نہ ہوتا تھا، ملکون مین ہمیشہ فساد برپا رہتے تھے، علمی ترقیان مسدود ہوجاتی تھین اور لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا، مگر اس کے برعکس آجکل نیابتی حکومت کا دور دورہ ہے، شہرون کی حکومت میونسپل کمیٹیان کرتی ہین جنمین ہر فرقے کے لوگ اپنے نمائندے بھیجتے ہین، گاؤن کی حکومت ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہاتھون مین ہوتی ہے، صوبون کی عنانِ حکومت کونسل کے اور تمام ملک کی باگ ڈور اسمبلی کے ہاتھ مین ہوتی ہے، یہ سب کی سب نیابتی مجالس ہین، اسلیے ممبرون کو لوگون کے جذبات کی

خاطر خواہ حفاظت کرنی پڑتی ہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرین تو آیندہ انتخاب کے موقع پر شکست کھائین اسلیے جب لوگ دیکھتے ہین کہ حکومت ان کی خواہش اور مرضی کے مطابق ہوتی ہے تو وہ بھی امن و سکون سے دن بسر کرتے ہین اور علمی ترقیان حاصل کرتے ہین، توگویا تاریخ ہمارے طرزِ حکومت مین بڑی زبردست اصلاح کرکے اسے مفید خلائق بناتی رہتی ہے، موجودہ نظامِ حکومت کی یہ خوبیان محض مطالعۂ علم تاریخ کے بعد لوگون نے پیدا کی ہین کیونکہ وہ جانتے ہین کہ کس طریقہ کے اختیار کرنے سے لوگون کے قلوب پر عمدہ اثر پڑسکتا ہے، جس سے کہ وہ حکومت کے برخلاف علم بغاوت بلند کرنے کی بجائے اس کے آگے سرِ تسلیم خم رکھین،

اسی طرح اور بہت سے فوائد ہین جو مطالعۂ تاریخ سے ہمین حاصل ہوتے ہین، طرزِ حکومت و تعلیم و تربیت اور اخلاق کے علاوہ تمدن و معاشرت، صنعت و حرفت اور دیگر علوم و فنون مین جو اصلاح ہوتی ہے اور ہورہی ہے، وہ محض مطالعۂ علم تاریخ کی وجہ سے ہے، ماضی کے حالات ہمین مجبور کرتے ہین کہ ہمین اپنے مستقبل کو بہتر بنانا کس قدر ضروری ہے،

مطالعۂ تاریخ کے پہلو بہ پہلو اقوام عالم کی ترقی اور خلاصۂ سخن

عرب مین دستور تھا کہ جب وہ یعنی اہل عرب کسی کارزارِ عظیم مین شریک ہوتے تو رجز خوانی کیا کرتے تھے جس مین ان کے بزرگون کی بہادری کے کارنامے ہوتے تھے، ان کارنامون کو سنکر ان کو اشتعال ہوتا تھا کہ وہ بھی ان سے بڑھ کر کام کرین تاکہ ان کے خلاف ان کو بھی نیک نام سے یاد رکھین، دوسرے الفاظ مین وہ رجز خوانی، تاریخ تھی ان کے بزرگون کی، اس سے یہ نظریہ کہ تاریخ انسان کو کام کرنے کی تحریک دلاتی ہے، بخوبی ثابت ہوتا ہے، اب ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ دنیا کی جن اقوام نے بزرگون کی یاد یعنی تاریخ کے مطالعہ کو تازہ رکھا وہ قوم ممتاز شمار ہوتی رہی ہے اور جس نے اس سے اغماض یا تساہل کیا وہ قوم برباد ہوگئی مثال کے طور پر ہندوستان کی تاریخ مین راجپوتون کو لے لیجئے، کبھی وہ دن تھا کہ افق ہند پر راجپوت

چودھوین رات کا چاند ہو کر چمکے اور پھر وہ دن آگیا کہ یہ برائے نام حکمران رہ گئے ہین، اصل بات یون ہے کہ عربون کی طرح ان مین بھی رواج تھا کہ بھانڈ اور ڈوم اکثر ان کے بزرگون کے کارنامے سنایا کرتے تھے، یہ خود انکی روایات اور حالات قلمبند کرایا کرتے تھے جس سے ہمت اور جوش کی لہر اسی طرح متلاطم رہتی تھی جس طرح ان کے بزرگون مین تھی، مگر رفتہ رفتہ وہ اس سے اغماض کرنے لگے، بزرگون کے کارنامے بھولتے گئے اور ان کی بہادری مبدل بہ بزدلی ہوگئی، عرب کے رہنے والے بدو ایک صحرائے پرخار سے اٹھے اور اپنے خشک ریگستان کے خیمون سے نکل کر دنیا کے سامنے آئے، قیصر نے ان کا لوہا مانا، اندلس نے ان کے آگے سر جھکایا، ہندوستان نے قدم چومے، کیونکہ ان کے پاس اقوام گذشتہ یعنی یہود و نصاریٰ کی ایک نتیجہ خیز تاریخ تھی جسکو وہ ہر روز دنیا کے کامون سے فارغ ہو کر پڑھا کرتے تھے اور وہ قرآن مجید تھا، قرآن مجید مین خداوند تعالیٰ نے اقوام گذشتہ کے واقعات یاد دلا دلا کر افعال قبیحہ سے خوف اور اعمال حسنہ کی ترغیب دلائی ہے، جب تک مسلمان اس تاریخ کو پڑھتے رہے، یہ دنیا کی قومون کے سرتاج بنے رہے، اور اب بھی انھون نے پھر وہ بھولا ہوا سبق یاد کر لیا تو علامۂ اقبال کے یہ شعر ان کے مصداق ہونگے،

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہین، محو حیرت ہون کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

شب گریزان ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

(اقبال)

جمیس کا نظریۂ جذبات

(۳)

از مولوی معتقد ولی الرحمن صاحب ایم اے پروفیسر فلسفہ جامعہ عثمانیہ

کسی دعوے کے ثابت کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوا کرتا ہے، کہ جس قدر اعتراضات اس پر وارد ہو سکتے ہین، ان کو یکے بعد دیگرے لیکر تردید کی کوشش کیجائے، جمیس نے بھی اپنے نظریہ کے ثبوت مین اسی اسلوب کو اختیار کیا ہے. چنانچہ وہ پہلے خود اپنے آپ، اپنے ہی نظریہ پر اعتراضات وارد کرتا ہے، اور پھر ان کو رد کرنے کی کوشش کرتا ہے، ہم یہان ان اعتراضات اور جمیس کی تردید کو بیان کرتے ہین،

اعتراض اول :- کوئی شہادت ایسی موجود نہین کہ مخصوص ادراکات، جذبات یا جذباتی خیالات پیدا کرنے سے قبل وسیع جسمانی اثرات کا باعث ہوتے ہون (جمیس صفحہ ۴۵۲)

جواب :- یہ اعتراض سرے سے غلط ہے، کیونکہ روزمرہ زندگی مین ہم کو اکثر ایسی مثالین ملتی ہین، ہم ایک توپ کے پاس کھڑے ہوئے ہین کہ توپچی تاک کر اس کو داغ دیتا ہے، اسکی آواز سے ہمارے دل مین دھڑکن، ہمارے جسم پر رعشہ، منہ مین خشکی اور چہرے پر زردی پیدا ہو جاتی ہے، حالانکہ ہم کو یقین ہوتا ہے، کہ ہماری جان مطلق خطرے مین نہین یعنی یہ کہ توپ کی آواز جذبۂ خوف کا باعث نہین ہوتی، لیکن اس کے باوجود جسم پر وسیع جسمانی اثرات پیدا ہو جاتے ہین، ہم کسی کال کوٹھری مین جاتے ہین، اور کسی متحرک چیز کو محسوس کرتے ہین، فوراً ہمارے دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے، اور سانس

رک جاتا ہے، لیکن خطرے کا خیال تک نہین آتا، اسی طرح کسی بلند مقام پر کھڑے ہوکر نیچے کی طرف جھکنے سے خوف و خطر کی تمام علامات رونما ہوجاتی ہین، حالانکہ ہم کو اطمینان ہوتا ہے، کہ ہم جنگلے وغیرہ کی وجہ سے نیچے گر نہین سکتے، اسی قسم کے بہت سے واقعات ہمارے تجربے مین آتے ہین جن سے بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے، کہ بعض اوقات محض ادراک سے ایک جذبے کی مخصوص جسمانی علامات تو پیدا ہوجاتی ہین، لیکن وہ جذبہ پیدا نہین ہوتا، لہذا یہ کہنا کہ مخصوص ادراکات، جذبات، یا جذبی خیالات کو پیدا کرنے سے قبل جسمانی اثرات پیدا نہین کرتا، یقیناً غلط ہے، اسی کی تائید مین جیمس نے خود اپنا ایک تجربہ اس طرح بیان کیا ہے:-

"مجھکو اچھی طرح یاد ہے، کہ ایک دن مجھکو بہت حیرت ہوئی تھی، جب مین نے بچپن مین ایک گھوڑے کی فصد کھلتے ہوئے دیکھا، اور مین بیہوش ہوگیا، خون ایک بالٹی مین تھا، اور اس مین ایک لکڑی پڑی ہوئی تھی، مین نے اس لکڑی سے اس خون کو ہلایا، اور اسی سے اس کے قطرے قطرے گراکر کھیلتا رہا، اس تمام کھیل مین مین نے سوائے طفلانہ استعجاب کے اور کچھ محسوس نہ کیا، یکایک دنیا میری آنکھون مین تاریک ہوگئی، اور کان مین غون غون کی آواز پیدا ہوئی، اور پھر مجھکو ہوش نہ رہا، مین نے اس سے قبل کوئی واقعہ ایسا نہ سنا تھا، جس مین خون کے محض دیکھنے سے بے ہوشی پیدا ہوئی ہو، اس سے مجھ پر خوف اس قدر کم طاری ہوا تھا، کہ اس چھوٹی سی عمر مین بھی مجھکو تعجب ہوا تھا، کہ اس بالٹی بھر سرخ پانی نے کس طرح یہ جسمانی اثرات پیدا کئے،[1]

اس مین شک نہین کہ بعض صورتون مین ایک خیالی جذبہ علامات پر مقدم معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ تقدم بالکل ظاہری ہوتا ہے نہ کہ اصلی، ایسی صورتون مین یہ جذبہ ان علامات کی محض

[1] جیمس صفحہ ۴۵۷،

کا نتیجہ ہوتا ہے، ایک شخص کسی موقعہ پر خون کو دیکھ کر بے ہوش ہوچکا ہے، لبعد مین وہ عمل جراحی کی تیاری ہوتے ہوئے دیکھ کر ہی بے ہوش ہوجاتا ہے، مدرسون مین بعض لڑکے اور لڑکیان کوپٹتا ہوا دیکھ کر چیخنا، کانپنا اور غل مچانا شروع کر دیتے ہین، مان اپنے بچے کے خطرہ مین جانے سے قبل ہی غمزدہ و افسردہ ہوجاتی ہے، استاد کو اپنے شاگردون کی کامیابی کے خیال ہی سے خوشی ہوتی ہے، غرض "قبل از مرگ واویلا" اور "آب ندیدہ موزہ کشیدہ" کی قسم کے تمام واقعات مین ہوتا یہ ہے، کہ ہم بعض حسیات و احساسات کی پیش بینی اور انتظار کرتے ہین، اس پیش بینی و انتظار سے ان کے ورود و صدور کا راستہ صاف ہوجاتا ہے، یعنی پھر ان کے وارد و صادر ہونے مین کوئی دقت پیش نہین آتی، اگر کسی شخص کو بار بار یقین دلایا جائے کہ وہ پژمردہ اور افسردہ دل بیٹھا ہے، تو وہ فی الواقع ایسا ہی ہوجاتا ہے، اگر کسی ہنستے کھیلتے بچے سے کہا جائے کہ وہ رونے والا ہے، تو وہ واقعی رونا شروع کر دیتا ہے، ان واقعات و حالات مین بھی بعینہ یہی ہوتا ہے، اس کے علاوہ علم الامراض کے بعض واقعات بھی اسکی تائید کرتے ہین "سقیم دہشت"[1] کے بعض مریضون نے اعتراف کیا ہے، کہ اصلی ہیجان کے ظہور سے قبل جذبۂ خوف طاری ہونے مین، ان کو دراصل خوف کا خوف ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام صورتون مین جذبۂ خوف صرف بظاہر علامات پر مقدم ہوتا ہے، حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ جس کیفیت کو ہم جذبہ کہتے ہین، وہ اصلی جذبہ نہین ہوتا بلکہ اس جذبہ کا خیال ہوتا ہے، اصلی جذبہ اور جذبہ کے خیال یا تصور مین فرق ہوا کرتا ہے، جذبہ کا خیال بغیر جسمانی تغیرات کے شکل پذیر ہو سکتا ہے، اور اسی وجہ سے عوام اور بعض ماہرین نفسیات جسمانی تغیرات کی اہمیت کا اندازہ کرنے سے قاصر رہتے ہین، جذبہ کبھی بغیر علامات کے ظاہر نہین ہو سکتا، ان ہی تمام واقعات سے جیمس کے نزدیک یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جذبہ اپنے مظاہر و اثرات

[1] Morbid terror

شروع ہوتا ہے، اور ان ہی پر اس کا خاتمہ بھی ہوتا ہے" اور یہ اسکی ذہنی حیثیت کا سوال مظاہر کے احساس یا ان کے خیال کے سوا اور کچھ نہیں، یہی ان کا مایۂ خمیر ہے[1]،

ہم پہلے کہہ چکے ہیں، کہ جذبہ کی علت قریبہ اعصاب پر جسمانی اثرات ہوا کرتے ہیں، یعنی یہ کہ واقعات کیوجہ سے اعصاب متاثر ہوتے ہیں، اور ان کے تاثر سے جذبہ پیدا ہوتا ہے، اگر کسی وجہ سے یہ تاثرات پیدا نہ ہوں، تو جذبہ بھی ناممکن الوقوع ہو جاتا ہے، اور اگر یہ اعصاب کسی وجہ و ذریعہ سے متاثر ہو جائیں، تو جذبہ کا وجود لازمی ہو جاتا ہے، اس بیان کی تائید میں بھی علم الامراض کے واقعات کو شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے، چنانچہ بعض مثالیں ایسی ملتی ہیں جنمیں کسی شخص پر بغیر کسی خارجی مہیج و علت کے جذبہ طاری ہو جاتا ہے، پاگل خانوں میں اس کی بہترین اور متعدد مثالیں مل سکتی ہیں، اکثر ہوتا ہے، کہ ایک پاگل اچھا خاصہ بیٹھا ہے، کہ یکایک اس سے وہ تمام حرکات، اور اس پر وہ تمام علامات ظاہر ہوتی ہیں، جو غصہ کے ساتھ مخصوص ہیں، یا جو خوف کا لازمہ ہوا کرتی ہیں، اس کے گرد و پیش کے واقعات و اشیاء میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہوتی جو اس جذبۂ خوف، یا غضب کے پیدا کرنے کے قابل ہو، لیکن باوجود اس کے جذبہ طاری ہو جاتا ہے، لینگ نے اسی قسم کے ایک پاگل کی حالت ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

"بعض دفعہ حالت غضب اس قدر بے بنیاد اور ناقابل التفات ہوتی ہے، کہ ہر ایک شخص اس کو کسی مرض کی طرف منسوب کرتا ہے۔ . . . خارجی جنون میں اسکی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، اس کے مریض پر یہ حالت بغیر کسی خارجی محرک کے طاری ہو جاتی ہے، اور وہ شخص حد درجہ غضبناک ہو جاتا ہے، وہ اپنے گرد و پیش کے لوگوں پر حملہ کرتا ہے، جو اس کے ہاتھ آ جاتا ہے، اس کو پیٹتا اور ٹھوکریں مارتا ہے، جس چیز پر اس کا ہاتھ پڑتا ہے اس کو دے پٹکتا ہے، قریب کی اشیاء کو توڑتا اور

[1] جیمس صفحہ ۴۵۹

برباد کرتا ہے، اپنے کپڑے پھاڑتا ہے، چیختا ہے، چلاتا ہے، دہاڑیں مارتا ہے اور اس تمام عرصے میں اسکی آنکھیں تیزی سے حرکت کرتی ہیں، اس پر محرک ادعیہ کی وہ تمام علامات ظاہر ہوتی ہیں، جنکو ہم غصہ کے مستلزمات دیکھ چکے ہیں، اس کا چہرہ سرخ اور پھولا ہوتا ہے، گال گرم ہوتے ہیں، آنکھیں پھٹی اور باہر نکلی ہوئی ہوتی ہیں، دل سختی سے دھڑکتا ہے اور نبض تیز چلتی ہے، گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں اور منہ سے کف جاری ہو جاتا ہے[1]،

ان حالات میں ہوتا یہ ہے کہ عصبی آلات ایک خاص جذبے کے لیے اس قدر حساس ہو جاتے ہیں کہ ناموزوں سے ناموزوں احساسی تہیج سے بھی ان میں ابتری پھیل جاتی ہے اور اس سے احساسات کا وہ مجموعہ پیدا ہوتا ہے، جو جذبہ کا نفسی مواد ہے، غرض کہ ان صورتوں میں بھی جذبہ اپنی علامات سے الگ نہیں ہوتا،

اعتراض دوم:۔ اگر یہ نظریہ صحیح ہے، تو مظاہر کے پیدا کرنے سے جذبہ بھی طاری ہو جانا چاہئے لیکن ایسا نہیں ہوتا، چنانچہ تھیٹر میں ایکٹر جذبات کی علامات و مظاہر پیدا کرتا ہے، لیکن محض اس علت سے جذبہ پیدا نہیں ہوتا، نقلی رونے میں ہم غم محسوس نہیں کرتے، نہ بناوٹی ہنسی میں خوشی،

جواب:۔ اس میں شک نہیں کہ اکثر جذبات اس معیار پر کامل العیار ثابت نہیں ہوتے، وجہ اسکی یہ ہے کہ ان مظاہر میں سے اکثر کا تعلق ان آلات سے ہوتا ہے جو ہمارے قبضۂ قدرت سے باہر ہیں مثال کے طور پر کہا جا سکتا ہے، کہ نقلی رونے میں اصلی آنسوؤں کا بہانا ناممکن ہے، اس لیے کہ آنسوؤں کے غدود کی فعلیت ہمارے ارادے کی تابع نہیں ہوتی، اسی طرح خوف کی حالت میں معدے کی حرکات انہضام کو ارادۃً بند نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ان پر بھی ہمارا قابو نہیں، یہی وجہ ہے کہ محض ظاہری علامات کو پیدا کرنے سے وہ جذبہ اصلی اور حقیقی صورت میں پیدا نہیں ہوتا، لیکن جہاں ہم تمام مظاہر

[1] مقتبس از جیمس صفحہ ۴۶۰ ،

علامات کو ارادۃً پیدا کر سکتے ہیں، وہاں جذبہ بھی موجود ہو جاتا ہے، چنانچہ ہر شخص کا تجربہ ہے کہ غم و غصہ کی علامات کو ظاہر کرنے سے، ان میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور اگر ان کو روک دیا جائے، تو جذبہ بھی ختم ہو جاتا ہے،

امام غزالی نے غصہ کا علاج یہ بتایا ہے، کہ اگر تم کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، اگر بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، غرض کسی طرح اپنی حالت و وضع میں تغیر کر لو، مقصد اس سے صرف یہ ہے کہ کسی طرح ان علامات و تغیرات کی قوت میں زیادتی نہ آنے پائے، ان حالات و وضع میں تبدیلی کرنے سے یہ ضعیف ہو کر ختم ہو جاتی ہیں، اور ان کے ساتھ ہی جذبہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح انگریزی مثل مشہور ہے کہ "مارنے سے پہلے دس تک گن لو" اس سے یہی مقصود ہے کہ توجہ کا مرکز غصہ کی علامات سے ہٹ کر گننے کی طرف منتقل ہو جائے، اس طرح غصہ کا خاتمہ یقینی ہے، کیونکہ جذبہ صرف اس وقت طاری ہوتا ہے، جب ذہن کسی اور کیفیت سے خالی ہو، ان روزمرہ ہدایات و نصائح کی بنا انھیں نفسیاتی حقائق پر ہے،

اس کے علاوہ ماہرینِ نفسیات بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ جیمس نے ہین کی شہادت اپنی تائید میں پیش کی ہے، وہ لکھتا ہے:-

"ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ایک ضعیف (جذبی) لہر کو اگر خارجی طور پر روک دیا جائے، تو وہ داخلی طور پر بھی اسکا خاتمہ ہو جاتا ہے، اگر خارجی ظہور کے ہر قدم پر مزاحمتیں پیدا کیجائیں، تو دماغی تموجات اور مرکزی ہیجان بھی ختم ہو جاتا ہے، اس قسم کی روک تھام سے ہم کو رحم، غصہ، خوف، غرور وغیرہ کے روکنے کی عادت پڑتی ہے، چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ حرکات کو دبانے سے وہ عصبی تموجات ناپید ہو جاتے ہیں، جو ان کا باعث ہوئے تھے، دوسرے الفاظ میں خارجی سکون ہمیشہ داخلی سکون کا باعث ہوتا ہے، اگر دماغی لہر آزاد اور بلا رکاوٹ خارجی ظہور پر موقوف نہ ہوتی تو یہ نتیجہ کسی طرح بھی پیدا نہ ہو سکتا تھا...... خارجی مظاہر کو پیدا کرنے سے ہم آہستہ آہستہ ان اعصاب کو متاثر کرتے ہیں، جو ان کو پیدا کرتی ہیں، اور بالآخر ایک منتشر تموج نمودار ہو جاتا ہے"

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات بشاش چہرہ بنانے سے مسرور ذہنی حالت پیدا کیجا سکتی ہے[1]،

مذکورہ بالا بیانات پر بعض ایکٹروں کی شہادت مستزاد ہے، ایک ایکٹر بیان کرتا ہے:-

"جب میں خوف یا غصہ کا پارٹ کرتا ہوں تو میرا خیال ہے کہ میں فی الواقع زرد پڑ جاتا ہوں، میرا منھ خشک ہو جاتا ہے، میری زبان تالو سے جا لگتی ہے، چنانچہ جب میں کسی آخری ایکٹ میں پارٹ کر رہا تھا، تو مجھکو بار بار اپنا منھ تر کرنا پڑتا تھا، اگر میں ایسا نہ کرتا تو میرے منھ سے آواز نہ نکلتی[2]،

لیکن سب سے زیادہ پرزور اور قطعی الدلالت شہادت کیمپنلا کی ہے، جو یورپ میں گزرا ہے، اور جو قیافہ شناسی میں دستگاہ وافی رکھتا تھا، اس کے متعلق برک لکھتا ہے:-

"اس شخص کو قیافہ شناسی کے اصول سے چنداں واقفیت نہ تھی، مگر اس کو نقالی و محاکات میں کمال تھا، جس کے باعث جب جیسی چاہتا، بلا تکلف اپنی صورت ویسی ہی بنا لیتا، اس کے پاس جب کوئی شخص اپنے قیافہ کی شناخت کرانے آتا تو اس کا عام دستور یہ تھا، کہ جو آثار و علامات اس شخص کے چہرے پر دیکھتا ہو بہو وہی اپنے اوپر طاری کر لیتا، پھر اس محاکات سے جو کیفیات وہ اپنے نفس میں محسوس کرتا وہی اپنے مخاطب کی طرف منسوب کرکے اس کے سامنے دہرا دیتا اور اس طریقہ سے وہ عموماً کامیاب رہتا، اس کے آگے وہ خود اپنی ذات کے متعلق اقرار کرتا ہے کہ جب میں کسی غضبناک یا مغموم، یا جری شخص کی صورت کا چربہ اتارتا ہوں تو اکثر یہ ہوتا ہے کہ میں خود غضب، غم و جرأت کے جذبات سے اضطراراً متحس ہونے لگتا ہوں[3]۔

یہ تمام بیانات اور شہادتیں اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہونی چاہئیں کہ بعض صورتوں میں مظاہر کے پیدا کرنے سے جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اصلیت یہ ہے کہ اس کو ثابت کرنے کے لیے اس قدر شہادتوں کے جمع کرنے کی ضرورت نہ ہونی چاہئے تھی، کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کو روزمرہ زندگی میں اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے،

(باقی)

[1] تجزیہ و ارادہ، صفحہ ۳۶۱-۳۶۷، [2] جیمس صفحہ ۴۶۲، [3] جیمس صفحہ ۴۶۵، ترجمہ از عبد الماجد فلسفۂ جذبات طبع دوم صفحہ ۱

سراج اورنگ آبادی،

از

مولوی بشیر احمد صاحب برہان پوری پرشین ٹیچر ہائی اسکول دھولیا،

(۳)

رباعیان سراج نے رباعیان بھی اچھی کہی ہین. ذیل مین چند بطور نمونہ لکھی جاتی ہین:-

تجھ غم مین ہے رنگ زرد پانا میرا — دشوار ہے ہرکسی کا پانا میرا
درکار نہین کہ تجھ گلی مین جاؤن — آنا تیرا بھی ہے جانا میرا

اس شوخ نے اب شیوۂ تمکین لیا — آئین جفا کا، مذہب و دین لیا
ظالم نے ستم کیا مجھے بیکس بوجھ — ٹک آنکھ دکھا کے دل مرا چھین لیا

اس شام جدائی مین مجھے آ دیکھو — الطاف و کرم کو کام فرما دیکھو
خورشید ہو ڈوبا شفق کے لوہو مین تمام — ٹک اپنے شہید کا تماشا دیکھو

چند پرانے الفاظ سراج نے بعض الفاظ ایسے استعمال کئے جواب بالکل مستعمل نہین ہین مثلاً زور (بمعنی بہت)

دانۂ اشک میرے تار پلک مین، موہن — زور سمرن ہے ترے نام کی مالا کرنے

تکمہ (بمعنی بتام یا گھنڈی)

دانۂ یاقوت دل میرے کو رکھ او کان حسن — تکمہ گر درکار ہے بند قبا کے واسطے

چکابو (بھول بھلیان)

سچ کہا کہ دل مرا چکرت مین ہے — زلف کون تیرے چکابو بولنا

تمہاری زلف مشکین کا ہر اک خم — مرے حق مین چکابو ہو گیا ہے
کیا چکابو ہے زلف مین تیرے[1] — اَرسی جس کو دیکھ چکرت[2] ہے

اس لفظ کو سودا نے بھی باندھا ہے جیسے:-

پانی گرتا ہے اس مین ہر پھر کر — ہے چکابو کا حوض گھن چکر

چکابو کے معنی نہ کسی فارسی لغت مین ہین نہ ہندی کوش مین پائے جاتے ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ سنسکرت کے چکریوہ (चक्रव्यूह) سے بنا ہے جس کے معنی فوج کے پیچ در پیچ راستے کے ہین، دکن کے دیہاتی حیران و متحیر ہوجانے کو چکوے مین آنا یا چکا بھول مین آنا کہتے ہین، ممکن ہے کہ یہ لفظ چکابو سے بگڑ کر چکابھول ہوگیا ہو، سراج کے مندرجہ بالا اشعار سے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید پرانے زمانے مین بھول بھلیان کی جگہ چکابو ہی رائج تھا، کمترین کی رائے مین اب اس کا بھول بھلیان ترجمہ کرنا غیر موزون نہ ہوگا،

سراج کی شاعرانہ کمزوریان متقدمین صحت الفاظ کے چندان پابند نہ تھے، یہی حال سراج کا بھی ہے، پھر بھی چند الفاظ غلط یا خلاف تلفظ لغت باندھے گئے ہین. ذیل مین چند مثالین ملاحظہ فرمایئے:-

عید الضحیٰ = یہ لفظ اصل مین عید الاضحیٰ ہے اور اسی طرح باندھنا چاہئے تھا، ع

تیرا دیکھنا مجکو عید الضحیٰ ہے،

انگوٹھی = یہ لفظ سراج نے بہ تشدید گاف[3] باندھا ہے، ع

گلے مین طوق ہر انگلی کو انگوٹھی کے حلقے

کمر = بہ تشدید میم باندھا ہے، ع عجب وہ کمر خورشید رو ہے،

---

[1] قدما اسی طرح لکھا کرتے تھے مثلاً تیری زلف یہ اگرچہ صحیح ہو مگر بعد مین اضافت لاتے تو مذکر کردیا کرتے تھے، پرانے انگریز گرامرین بھی اسکا شاہد ہین، [2] چکرت حیران یا متحیر، [3] یہان گاف مشدد نہین بلکہ نون غنہ ظاہر کردیا گیا ہو (معارف)

زکرؔ یا بسکون کاف باندھا ہی ع آرۂ غم جب چلے دل پر مثال زکریا،

برکت :۔ بہ تشدید کاف باندھا ہی ع برکتّ سین رسول مصطفےٰ کے،

عرؔق :۔ بہ سکون را باندھا ہے ع قطرۂ شبنم نہین شرمندگی کا عرق ہی،

شتابی :۔ بمعنی جلد غلط ہی شتاب یا جلد چاہیئے تھا ع ادھر بان طبیب شتابی علاج کر،

ٹھاٹ :۔ بمعنی ٹھاٹھ غلط ہی ؎

اے سراج اشک کے چراغون کو | نئے مژگان سے ہینے باندھی ٹھاٹ

مطالع کرنا :۔ بمعنی مطالعہ کرنا غلط ہی، ع کل مطالع مین کیا تھا اس کے خط کا حاشیہ،

دل برما کرنا :۔ بمعنی دل برمانا اب نہین بولتے ع اگرچہ تیر پلک نے کیا تھا دل برمہ،

جانکندن :۔ بمعنی جانکنی اب نہین بولتے ع آشنائی کہ جان کندن ہی،

مرض :۔ (بروزن فرض) غلط ہی بفتح را چاہیئے ع ہوا در محبت کا مجھے مرض،

تغیر (بروزن فعیل) غلط ہے، بروزن تفعیل و تفعّل صحیح مانا جاتا ہے، ع

تبھی سے منصب فرہاد کو تغیر کیا،

امیدواری :۔ بمعنی امید اب مستعمل نہین ہے، ع الٰہی ہے مجھے امیدواری،

برشکالا :۔ بمعنی برشگال غلط ہی، ع

اشک باران آہ بجلی ہجر کی کالی گھٹا، | ماہ رو مین کسطرح کا برشکالا ہو گیا،

ہندی الفاظ کے ساتھ عطف و اضافت | ع عشق و دل تپہ و شرار ہوا :۔ تپہ اور شرار چاہیئے تھا،

ع کیا ہی مسکرا کر بات مثل پھول گلرو نے | مثل گل یا پھول کی طرح چاہیے تھا

ع لباس بسنتی ترا دیکھ کر | ترا بسنتی لباس چاہیئے تھا،

ع گل گلاب مین گویا ہجوم شبنم ہو | صرف گلاب چاہیئے تھا گل گلاب کی ترکیب اضافی غلط ہے

ع، ہو اسوار وہ صیاد من ہرن جیم :۔ صیاد من ہرن کی ترکیب اضافی غلط ہی

جی کو جسکا خیال سمرن ہے | دل گرفتار زلف موہن ہے

اس شعر مین زلف موہن اور خیال سمرن کی ترکیب اضافی غلط ہی،

اعلان نون غنہ بحالت اضافت | ؎ ابر نیسان برستا ہی میرے آنسو کا،

؎ ماجرا سنکر ہمارے اشک بے پایان کا

مندرجہ بالا دونون مصرعون مین ابر نیسان اور اشک بے پایان کی ترکیبون مین اعلان نون غلط ہے،

فک اضافت | گر اس سوزن پلک نے دل مشبک | حمایت کے کیئے ہین بند نا کے

ع ہر قطرہ اشک مین ہی ظاہر جمال مرد

مندرجہ بالا مثالون مین اس "سوزن پلک" کی جگہ اس "سوزن پلک" چاہیئے تھا اور ہر قطرہ اشک کی جگہ ہر "قطرۂ اشک" کا ہونا لازمی تھا،

حذف ناجائز | باغ مین نرگس بیمار طرف | گوشۂ چشم سے ایما نہ کیا

"نرگس بیمار طرف" کی بجائے "نرگس بیمار کی طرف" چاہیئے تھا،

(۲) خاتم اُپر تو ختم نبوت کا نگ ہوا :۔ خاتم کے اوپر چاہیئے تھا نگ کی بجائے نگینہ بہتر تھا

(۳) دلِ سنگین ترا ہے لوہا لاٹ :۔ لوہے کی لاٹ چاہیئے تھا،

(۴) بسکہ ہے ہمدرد تیرا اس سبب کہتا ہرج :۔ اس سبب کہتا ہی چاہیئے تھا،

مندرجہ بالا چند فروگذاشتون سے قطع نظر کر کے بنظر غائر دیکھا جائے تو سراج کا کلام حسن عشق کی ضیا پاشیون کا بہترین نمونہ ہے، تغزل کے علاوہ کلام مین ولی سے زیادہ گھلاوٹ ہی جس غزل کو پڑھیئے طبیعت یہی چاہتی ہے کہ پوری کی پوری مثال مین درج کیجائے، جس شعر پر نظر پڑتی ہے قابل انتخاب نظر آتا ہے، اور شک پیدا ہونے لگتا ہے کہ کون سے شعر

لیے جائین اور کون سے حذف کر دیئے جائین ؎

من آن زمان کہ بگلزار حسن او نگرم — کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

بااین ہمہ چند چوٹی کے اشعار چھانٹ کر اسی مضمون کے ساتھ ملحق کر دیئے ہین، تاکہ ارباب معانی بعد از مطالعہ و معائنہ اپنے طور پر خود فیصلہ کر لین کہ سراج کا ہمائے تخیل کہان تک پرواز کر سکا ہے، ؎ سپردم بتو مایۂ خویش را

کلام سراج

گلستان مین نہ یہ نرگس نہ سوسن اور چنبیلی ہی — مرے نازک بدن گلرنگ کی ہر اک سہیلی ہی
بنے ہین بینوا تیری جدائی کے محرم مین — گلے مین بلبلون کے موج رنگ گل کی سیلی ہی
تمھارے پنجۂ نازک سے ہو ہمدست حیران ہون — رگ جان یا ہی انگلی، سخت دل ہی یا ہتھیلی ہی
دل حیران مین میرے رُخ کے خاطر جمع ہو جاؤ — سراپا آرسی سے ایک پتھر کی حویلی ہی
شکر لب تلخ مت ہو ترش رو ہو کر — حلاوت زندگانی کی مرے حق مین کسیلی ہی
خیال نازک موئے کمر سمجھا نہین جاتا — نجانون چیستان ہی یا معما، یا پہیلی ہی
اگر وہ شمع دل بیرحم ہے اپنے پتنگون پر — سراج ان بیکسون کے حال کا اللہ بیلی ہی

مین تو دل جلی ہوں پن (پر) وجہ تغافل کیا ہے — اس قدر معنی روشن کو تامل کیا ہی
ڈوب اس شرم سے پانی مین اگر غیرت ہے — یار سے خندۂ بے شرمی ارے گل کیا ہی
مجھ کو اس لف نے سب کھول بتائے عقدے — جب کہا معنی سطر خط سنبل کیا ہی
طبع نازک سے ترے خون ہی مجکو ورنہ — چاک کرنے کو گریبان کے تحمل کیا ہی
ہے کمی وصل مین گر شورش عاشق کو سراج — فصل گل مین سبب نالۂ بلبل کیا ہی

کان (کہان) ہے وہ چہرہ نوری والا — چشم بلبل کی بکتری والا
نرگس شوخ چشم ہے باغی — ہے کدھر چشم جھبری والا
دلدہی کا خیال کیا جانے — نام جس کا ہے دلبری والا
یاد ہے اسکی چشم میگون کے — شیشۂ دل ہوا پری والا

بھول جا حرف بے وفائی کا — یاد کر علم آشنائی کا،
آمری آہ کا تماشا دیکھ — گر تجھے ذوق ہے ہوائی کا
شربت زندگی اُسے ہے تلخ — جس نے پایا مزہ جدائی کا

جس کو مزہ لگا ہے ترے لب کی بات کا — ہرگز نہین ہے ذوق اُسے پھر نبات کا
دیکھے ہے اس لبوں کے جسے عمر خضر ہے — پیاسا نہین ہے چشمۂ آب حیات کا
اے شوخ بزم ہجر مین روشن ہی شمع آہ — قصہ نہ پوچھ مجھ سے جدائی کی رات کا
آب روان ہے حاصل عمر شتاب رو — لوح فنا مین نقش نہین ہے ثبات کا

ہین قیامت چشم و ابرو خط و خال — قید کیون کرتے ہو ان چارون مین دل
شعلہ رو جب سے نظر آیا نہین، — لوٹتا ہے تب سے انگارون مین دل
ان بھوؤں کے زخم کی لایا ہے تاب — خوب جا بہلا ہے تلوارون مین دل

مری تلخی نزع کی ہین دوائین — تمھارے تبسم کی میٹھی ادائین
شکر گرد کلفت ہی اور شیر آنسو — ملی ہین کسے اس مزے کی غذائین
دم سرد مین عاشقوں کون ہی راحت — کہان سیر گلشن مین ایسی ہوائین
ارے غنچہ ہر صبح اس خوش دہن مین — مناسب نہین خندہ پن کی صدائین
جگر سینہ چاکون کا حق مین ہمارے — لب زخم سے مانگتا ہے دعائین

نہ پہنچے گا انجام کون یہ تسلسل ۔ تمھاری جفائین ہماری وفائین

دو زلفون نے گھیرے ہین چہرے کو تیرے (گھیرا) ۔ بلائین بھی لیتی ہین تیری بلائین

سراج آتشِ عشق مین جل گیا ہے ۔ پتنگون کی آخر یہی ہین سزائین

روشن دلون کو عجز ہے نام آفرین آب ۔ حرف شکستِ موج ہے نقش نگین آب

آنسون نے گرد کلفتِ دل کو فرد کیا ۔ دیکھا ہے کس نے خاک کون بالا نشین آب

بہ چشم طمع کون جلوۂ موہوم ہے مراد ۔ پیاسون کون ہو سراب مین عین الیقین آب

صافی دلون کا عشق ہے رونق فزائے حسن ۔ ہے رنگ بخش گل نظر پاک بین آب

گوہر فشانی لب دریا نثار سن ۔ موتی ہوا ہے شرم سے خلوت گزین آب

آئی ہو تو بہار دوانون (دیوانون) کی بن گئی ۔ بن بن صدائے خندۂ گل ہر چمن گئی

برپا ہوا ہی خیمۂ گل صحن باغ مین ۔ آواز بلبلون کی طناب آج تن گئی

شاید کہ عزم سیر گلستان ہی یار کون ۔ لینے کو پیشوا اُسے بوئے سمن گئی

کیون کھینچے ہو ہم پہ تغافل کا نیمچا ۔ دل کی سپر نگاہ کے تیر دن سے چھن گئی

مالی نے برگ گل مین لپیٹا ہزار شکر ۔ بلبل موئے پرانت (مرے بعد) گلابی کفن گئی

سن نام تجھ نگین لب لعل کا صنم ۔ کان مین سے آب عقیق مین گئی

آتش مین غم کے خاک ہو ثابت قدم سراج ۔ تو دیکھ شمع جل گئی پر بے سخن گئی

یار کی وضع بے حجابی ہے ۔ شوخ ہے مست ہے شرابی ہو

تجکو عاشق دو رنگ کیون نہ کہین ۔ زلف کالی ہے لب شہابی ہے

خال موزون صنم کے ابرو پر ۔ نقطۂ فرد انتخابی ہے

کشورِ دل مین تجھ جدائی سے ۔ ظلم ہے شور ہے خرابی ہے

دل کہ عرش خدا ہی اس کو نہ توڑ ۔ عاشقون کا سخن کتابی ہے

ہے خجل بسکہ آتشین رُو سے ۔ شمع تب سے سراج آبی ہے

تیری بھوون کی تیغ کے جو زد و بر ہوا ۔ سب عاشقون کی صف مین وہی سرخرو ہوا

تیر نگہ کا تیرے از بسکہ مو شگاف ۔ ممنون ہر ایک زخم سے مین مو بمو ہوا

رشتے سے موج گل کے ہوئے آبہار مین ۔ سب بلبلون کا چاک گریبان رفو ہوا

ہر جا ہی گر نگھون مین اُسے شیشۂ آتشی ۔ چشم سراج آئینۂ شعلہ رو ہوا

خنجرِ عشق کا جو بسمل ہے ۔ تشنۂ آب تیغ قاتل ہے

جو چڑھا دار پر ہوا منصور ۔ یہ محبت کی پہلی منزل ہے

نہین آئینہ روبرو اس کے ۔ لیلیِ حسن کا یہ محمل ہے

منصب عشق مین زر رخ زرد ۔ تجکو جاگیر غم سے حاصل ہے

ربع مسکون چار عنصر ہین ۔ کار فرمائے بیخودی دل ہے

آتش غم مین خاک ہو جانا ۔ بوالہوس کون سراج مشکل ہے

تیری ابرو کی تیغ پیاسی ہے ۔ آپلا خون عاشقان سبیل

مار کھایا ہے زلف سے تیری ۔ تن پہ سنبل کے ہی علامت نیل

مت ہو مغرور زندگی پہ سراج ۔ آمد و رفت دم ہے کوس رحیل

خیالِ عکس رخ یار شیشۂ دل مین ۔ میری نظر سے مثال پری نہان آیا

اگرچہ وصل مین ہون، بیم ہجر باقی ہے ۔ قرار خاطر بے صبر کون کہان آیا

گوشۂ محراب ابرو مین ترے خال سیاہ ۔ تابع اسلام ہے سردار کفرستان کا

کہتے ہیں تری زلف کو دیکھ اہل شریعت — قربان ہو اس کفر پہ ایمان ہمارا

سینے کے طبق میں ہی کباب دل پرسوز — جس دن سے غم ہجر ہے مہمان ہمارا

دل ہمارا ہی لعل بے قیمت — کر پسند اس کو جوہری کی طرح

گرچہ میری نظر میں پنہاں ہے — شیشۂ دل میں ہو پری کی طرح

نرگس باغ نے کہاں پائی — یار کی چشم عبہری کی طرح

میکش غم کون شب مہتاب ہی ہو کے سفید — موسم پیری میں سامان جوانی کیجئے

ہجر کی راتوں میں لازم ہی بیان زلف یار — نیند تو جاتی رہی ہے قصہ خوانی کیجئے

یار جانی تو زمانے میں بہت نایاب ہے — کیجئے دشمن اگر اپنا تو جانی کیجئے

مت ہوئے دل توں سدا بلبل ہزاروں پھول کا — ایک باقی بوجھئے باقی کوں فانی کیجئے

وحشی ہوا ہوں دلبر گلرو کی چشم کا — کیا کام میرے سامنے آہو کی چشم کا

رخسار پر صنم کے جو خال سیاہ ہے — وہ مردمک ہی حلقۂ گیسو کی چشم کا

نقش قدم ہوا ہوں محبت کی راہ کا — کیا دل کشا مکان ہو مر سجدہ گاہ کا

گرمی سے آفتاب قیامت کے کیوں ڈروں — سایہ ہی مجکو سرو قیامت پناہ کا

ڈورے نہیں ہیں سرخ تری چشم مست میں — شاید چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا

سنبل ہی جونکر جلوہ نما جوئے یار پر — آنکھوں میں میرے عکس ہو زلف سیاہ کا

گل کے مانند مت پریشان ہو — بند کر مثل غنچہ اپنے لب

چاہیے زاہدوں کو حجرہ تنگ — باغ عاشق ہی وسعت مشرب

دل مرا ہی ترے تغافل سیں — عندلیب گل بہار غضب

نہ ملے جب تلک وصال صنم — تب تلک فوت ہو مرا مطلب

شمع و پروانہ سے سنا ہے سراج — صدق دل سے ادب ہے ترک ادب

جب کباب دل سیں سیخ آہ کھینچوں بے حجاب — تب تنور چرخ میں چھد جائے قرص آفتاب

ہے بجا گر درس پاؤں عشق کے استاد سیں — ہے کتابی چہرۂ جاناں گلستاں کی کتاب

گرچہ ماہ نو فلک پر ہے ہلالی وقت کا — تاب کیا ہے بیت ابرو کا ترے لائے جواب

خندۂ دنداں نما لازم نہیں اے بحر حسن — ورنہ اب جاتی رہیگی آن میں موتی کی آب

جلوۂ خورشید رو حاصل نہیں ہوتا سراج — کب تلک جوں دود شمع اس غم سیں کھاوں پیچ و تاب

خانۂ زیں میں اگر ہو جلوہ گر وہ رشک حور — کیا عجب گر حلقۂ چشم پری ہوئے رکاب

نازکے دیوان میں اے مطلع حسن و جمال — قد ترا ہے مصرع و ابرو ہے فرد انتخاب

عکس دکھلا اپنے رخ کا اے در دریائے حسن — منتظر ہے دیدۂ گرداب اور چشم حباب

اے دل و جاں سراج آ رحم کر عشاق پر — اب نہیں ہے تن میں طاقت دل میں تاب آنکھوں میں خواب

دیکھ سکتا نہیں ہیں گل کو سراک خار کیساتھ — اپنے ہمراہ رقیبوں کو نہ لا ہائی نہ لا

بے طرح اب تو برہ آگ دہکتی ہو سراج — دل مرا کیوں نہ پکارے کہ جلا ہائی جلا

اس بہار بے بقا سے جز فنا حاصل نہیں — فصل گل میں بلبلوں کی نغمہ خوانی ہیچ ہے

دوستی اور دشمنی کا کچھ نہیں ہے اعتبار — مہربانی ہیچ ہے نامہربانی ہیچ ہے

کشور دل میں آج ہلچل ہے — عشق کی فوج کا عجب دل ہے

صاف کر دل کوں خاکساری سے — لازم اس آرسی کوں صیقل ہے

ہوئی جوش محبت سے زبان بند — صنم کا درمیاں جب نام آیا

سراج آنے میں اس جادو نظر کے — شکیب و طاقت و آرام آیا

کیوں نہ ہوں قتل دم بدم عاشق — ہیں بھویں ذوالفقار کی صورت

ناامیدی مین جلوہٗ دیدار
ہے خزان مین بہار کی صورت

ہین صاد اسکی آنکھین، اور قد الف کے مانند
ابرو ہین نون نادر گیسو ہے لام گویا

رنگین بہار جنت، دوزخ ہے مجکون اس بن
دوزخ ہے اس کے ہوتے دار السلام گویا

جہان مجھ غم کی آتش جلوہ گر ہے
وہان دوزخ کا قصہ مختصر ہے

مجھے ہے سیر صحرا بادشاہی
پھپھولا پاؤن کا سر کا چتر ہے،

ابروئے پرچین سے کرتا ہے شہید
کیا بلا شمشیر جوہر دار ہے.

ہر ادا اُس عشوۂ خونریز کی
حق مین میرے تیر ہے تلوار ہے

وہ مجھے لاکھ دام کی جاگیر
زلف کھو لو بڑی رعایت ہے،

نقد دیدار بوالہوس کو نہ دو
اس مین سرکار کی کفایت ہے

ہر چمن مین شگفتہ رو ہونے
گل کے مانند مشت زر کان ہے؟
(کہان ہے)

ترک مطلب ہے مطلب مجنون
شجر بید کو ثمر کان ہے؟

مجھے خادم نے گریبان دیکھ بولا
کہ اس عالم مین طوفانی یہی ہے

زمین یار کا نقش کف پا
ہمارا خط پیشانی یہی ہے،

یار نے ابرو و مژگان سے مجھے صید کیا
صاحب تیر و کمان تھا مجھے معلوم نہ تھا

نگہ شوخ نے دل ایک کرشمے مین لیا
کیا بلا سیف زبان تھا مجھے معلوم نہ تھا

ہے دل پر سوز کون میرے خیال کو دوست
دوزخی کون ہے بہشت دلکشا کا اشتیاق

شام غم کون ہے امید صبح عشرت دمبدم
سورۂ والیل کون ہے والضحیٰ کا اشتیاق

آفتاب آئینۂ نقش کف پا ہے تیرا
کیا مگر باقی ہے اعجاز ید بیضا ہنوز

عاشقون کا رنگ زرد و اشک گلگون دیکھ کر
چھوڑتا نین ہے دورنگی و گل رعنا ہنوز
(نہین)

جب دیکھا ہو خط سبز مین تیرے لب سرخ
تب سے سبزے مین چھپی پان کی لالی اے شوخ

شہر مین الفت صحرا ہے مجھے دامنگیر
کیا قیامت ہے تری چشم غزالی اے شوخ

حسن کو ن ہے نقد ناز اور عشق کو جنس نیاز
پھر عبث شکوہ ہے یہ سودا ہوا ہی خوش خرید

باغ مین ہم مرگئے محروم فیض گلبدن
ہین ہمارے آج پھول اور بلبلون کے حق مین عید

رہ نوردان جنون کو فتح باب فیض ہے
آبلون کے قفل کی خار بیابان ہے کلید

باغ کی گلگشت کا گر شوق ہو اے سرو قد
آرسی مین دیکھ صورت سیر گلشن کو نہ جا

تغافل ترک کر اے شوخ بیباک
تلطف کر نوازش کر مدارا

ہر صفحہ اسکے حسن کی تعریف کے طفیل
گلشن ہوا، بہار ہوا، بوستان ہوا

گل داغ جفا سین دل میرا
بوستان ہی چمن ہے گلشن ہے

ہوش عاشق کا سلامت کیون رہے
لب بلا، بالا بلا، ابرو بلا،

ہمارا جلوہ فرما دل نہ جانے ناز کرتا ہے
ادا یا سحر یا جادو ہے یا اعجاز کرتا ہے

دل آرام سین ایک دم دور رہنا
ستم ہے، الم ہے، جفا ہے، بلا ہے

اے دل و جان سراج آ رحم کر عشاق پر
اب نہین ہے تن مین طاقت دل مین تاب آنکھون مین خواب

کیا سبب دیکھ رہا آئینہ اے شوخ تجھے
کیون پشیمان نہ ہوا سر بگریبان نہ ہوا؟

شبخون کا عزم ہے صف عشاق پر اگر
مسی لگا کے پان کے بیڑے چبائیے

اس چشم نیم خواب کا کافی ہے ایک دور
تم آرزوے بادۂ انگور مت کرو

مت پوچھ سوز عشق سین فارغ سراج کون
پروانہ وار جان سے بیٹھا تھا سو ہو

مجھے بھی خوار کیا آپ بھی خراب ہوا
(جان)
ہین جان بلب ہو دل بیقرار کے ہاتھون

سب دیکھتے تھے چاند کون مین یار کی طرف
اسکی بھوین جدھر تھین ادھر کون ہلال تھا

غم نے پیلا کیا ہمارا رنگ — کیمیا گر نے زر کیا مس کا

ہجوم اشک میں موتی بھرے ہیں دامن میں — ہے چشم تر میں مرے پاس کان گوہر خیز

مثال عکس سب کی آنکھوں کے پردے میں (آئینہ) کے اندر ہو — ہوا معلوم یوں ہمکو کہ طالع کے سکندر ہو

کیا اس سرو قد نے کل کا وعدہ — قیامت پر رہا دیدار موقوف

صیاد چاہتا ہے دل بیقرار مفت — لیکن کہیں بھی ہاتھ لگا ہے شکار مفت؟

حجاب جلوۂ دیدار ہے مجھے مانع — وگرنہ یار سے آسان ہے ہمزبان ہونا

نہیں درکار تیغ کج ادائی — تری سیدھی نگہ تیر ہدف ہے

سبزے نے خط کے حسن کی افزون کیا بہار[۱] — اس ناز بو نے زیب دیا صحن باغ کو

کب تک روا رکھو گے تغافل سراج پر — اب اس قدر بھی خوب نہیں سرگرانیاں

کیا ہوگا جو کھولو گے گرہ زلف سے اپنی — آسان کرو عقدۂ مشکل کو ہمارے

تڑپنا تلملانا، غم میں جلنا، خاک ہو جانا — یہی ہے افتخار اپنا یہی ہے اعتبار اپنا

رخ ہے مصحف بھویں ہیں بسم اللہ — زلف تیری ہے سورۂ اخلاص

ہوش کھونے کو مے نہیں درکار — گردش چشم مست کافی ہے

میرے گھر ہر مہینے گر وہ مہ ابرو ہلال آئے — رقیب شوخ طینت کے ستارے پر زوال آئے

بے فکر میں نہیں کہ صنم مست خواب ہے — کیا کیا بلا کرے گا جو بیدار ہوویگا

سب پر ہے کرم مجھ پہ ستم کیا ہے دو رنگی — دلدار کسی کا ہے دل آزار کسی کا

دل لیا نرگس ساحر نے تری — سچ ہے جادو میں اثر ہوتا ہے

غیر کو بار نہ دو اپنی گلی میں ہرگز — گلشن خلد میں کچھ کام نہیں خاروں کا

[۱] افزون کیا بہار کی جگہ، افزون کی بہار چاہئے تھا،

گوشۂ محراب ابرو میں ترے خال سیاہ — تابع اسلام ہے سردار کفرستان کا

تنہا نہیں ہوں دشت محبت میں اے ستم — غم ساتھ، درد قافلہ، اور دکھ رفیق ہے

تمہاری زلف کے جس دن سے تار بکھرے ہیں — ہوئی ہے جمع مرے پاس سب پریشانی

نزدیک جب سے درد جدائی ہوا سراج — چاروں طرف سے عیش کوں یاد وردسے

بلبل ترے دہن کی لطافت کوں دیکھ کر — صندوق غنچہ بھر کے زر گل نذر کرے

خواب آشفتۂ ہستی کی یہی ہے تعبیر — غیر فانی ہے مگر جلوۂ حق باقی ہے

دل بسکہ یاد دوست سے آئینہ رنگ ہے — نقش خیال حسن پری اس پہ دنگ ہے

قیامت ہیں نین اس مو کمر کے — عجب چنچل ہرن پالے ہیں گھر کے

شوخ سرکش مطیع ہے میرا — مرتبہ کیا رفیع ہے میرا

ہرگز گذر نہیں ہے یہاں عشق غیر کو — دل عاشقوں کا آئینۂ بے مثال ہے

تمام بوقلمونی کا ہے تجلی گاہ — نہیں خدائی میں دل کی مثال تماشا

دریائے مدعا کی لائے ہیں تہ جب — ہر بوند اشک[۱] کا ہے در عدن ہمارا

دیوانے کو مت شور جنون یاد دلاؤ — ہرگز نہ سناؤ اُسے زنجیر کی آواز

تجھ بغیر اے شمع بزم ناز جلتا ہے سراج — حسن کے پرتو سے روشن کر شبستان ذات

سراج اشعار تیرے کیا بلا ہیں، — بھبوکے ہیں مگر سوز جگر کے!

[۱] بوند کو مذکر باندھا ہے،

مرزا غالب کے بچپن،
کی
ایک تحریر،

از شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ کلکتہ

مرزا غالب رجب ۱۲۱۲ھ مین پیدا ہوئے تھے، پانچ برس کی عمر مین وہ یتیم ہوئے، یعنی ان کے والد ایک لڑائی مین مارے گئے، اس کے دو برس بعد کی ایک تحریر مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے کتبخانہ حبیب گنج (علی گڈھ) مین محفوظ ہے، یہ ایک قسم کی دستاویز ہے، جبکو ۱۲۱۹ھ ۱۸۰۴ء مین غالب مرحوم نے، خدا داد خان اور ولی داد خان کے پاس اپنا مکان گرو رکھکر جو روپیہ دست گردان لیا تھا اس کے عوض مین لکھکر ان کے حوالہ کیا تھا، مرزا کی یہ تحریری دستاویز حسب ذیل ہے:-

خانصاحب مشفق مہربان خدا داد خانصاحب و ولی داد خانصاحب سلامت، از اسد اللہ خان عرف مرزا نوشہ؛

بعد سلام معلوم فرمایند کہ چون آن صاحبان با جناب والدہ صاحبہ قبلہ و کعبہ حضرت عزت النساء بیگم صاحبہ مدظلہ (ظلہا) العالی ہم بطریق رہن حویلی و ہم بسبیل دستگردان طرح داد و ستد در میان دارند، بلحاظ امر ناگزیر کہ لازم نفوس بشری است، دلجمعی خود ازین جانب می خواہند لہذا نوشتہ می بود کہ خدائے جہان آفرین جناب بیگم صاحبہ قبلہ یعنی والدہ صاحبہ را تا دیرگاہ دارد، بذات خود مالک آن ہر دو حویلی اند و دیگرے را در آن ہیچگونہ شرکت و انبازی نیست، و اگر احیاناً خدانخواستہ باشد امر ناگزیر کہ لازم ذات انسانست پیش خواہد آمد، آنچہ از املاک مملوکہ و مقبوضہ جناب ممدوحہ بتصرف این کمترین بیگم خواہد آمد از آن مجموع اول ادائے قرضہ آن صاحبان کردہ خواہد شد، اگر ناگاہ بجہت قیمت آن مجموع بادائے قرضہ آن صاحبان کفایت نخواہم کرد،

بقیہ قرضہ آن صاحبان از نیز خود ادا خواہم کرد، لیکن این معنی بخاطر باشد کہ چون جناب والدہ صاحبہ نوشتن و خواندن میدانند لہذا قرار داد آنست کہ ہر تمسک مہری جناب والدہ صاحبہ کہ بے دست خط جناب ممدوحہ خواہد شد کہ از مایۂ اعتبار ساقط متصور خواہد شد،

خلاصہ این کہ آن صاحبان ہر زرے کہ بجناب والدہ صاحبہ قبلہ بسبیل قرض دہند تمسک مہری جناب ممدوحہ حاصل کردہ نزد خود دارند، ہر تمسک کہ این چنین خواہد بود از مندرجۂ آن اگر بحسب اتفاق بذمۂ جناب ممدوحہ باقی خواہد ماند از جناب ممدوحہ ادائے آن زرخواہ از املاک متروکہ خواہ از جائداد خاص خود من کل الوجوہ بذمۂ من خواہد بود، ہرگز درین امر تردد نفرمایند، و این خط را کہ من بدست خود در حالت ثبات حواس بے جبر و اکراہ برضائے خود نوشتہ ام دستاویز کامل شناسند، فقط نگاشتہ سی ام جنوری ۱۸۰۴ء،

(مربع مہر)

عرف مرزا نوشہ اسد اللہ خان ۱۲۱۹ھ

۱۲۱۲ھ کی پیدائش کے لحاظ سے ۱۲۱۹ھ مطابق ۳۰ جنوری ۱۸۰۴ء مین انکی عمر سات آٹھ برس کی ہوگی، اس عمر کے لحاظ سے فارسی کی یہ عبارت بھی، مرزا مرحوم کے فطری کمال کی ایک مزید شہادت ہے، اس کا خط کسی قدر شکستہ آمیز ہے، مگر نہایت صاف ہے، اس دستاویز سے مرزا کے سوانح حیات کے متعلق چند نئی باتین معلوم ہوتی ہین،

دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا مرحوم کی فارسی استعداد کسیقدر اچھی ہو، مگر عربی سے ہنوز ناواقف تھے، چنانچہ دستاویز مین اپنی والدہ کے لیے انھون نے مدظلہا کی جگہ مدظلہ، مذکر کی ضمیر استعمال کی ہے، مرزا مرحوم کی والدہ کا حال انکی کسی سوانح نگار نے نہین لکھا ہی، مگر اس دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی والدہ کا نام عزت النساء تھا اور وہ لکھی پڑھی تھین، چنانچہ لکھتے ہین کہ، "والدہ ماجدہ نوشتن و

خواندنی دانند، تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آگرہ مین ان کی متعدد املاک تھین جنکی تفصیل مولانا حالی نے یادگار غالب مین کردی ہے، یہ بھی ثابت ہوتا ہے مرزا بچپن ہی سے افلاس کے دام مین پھنسے اور جاگیرین اور املاک رہن رکھنے لگے تھے،

تلخیص و تبصرہ

مصر قدیم مین قلعہ بابلیون کے چند آثار

مصر قدیم مین رومیون نے اپنے عہد حکومت مین شہر بابلیون بسایا تھا، اور شہر کی حفاظت کیلئے اس کے جانب شمال مین ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کیا تھا، جسے بعض تاریخی روایات کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہو، قلعہ تو مسمار ہو چکا لیکن اس قلعہ کے چند آثار ردتہ الکبری کی یادگار کے طور پر اب بھی باقی ہین، قلعۂ بابلیون کو تاریخی حیثیت سے یہ خاص اہمیت حاصل ہے کہ قلعہ کے اسی حصار مین ایرانیون کے عہد حکومت مین قصر الشمع واقع تھا جس کے آثار رومیون کے عہد حکومت سے گذر کر مسلمانون کے زمانہ تک باقی رہے، چنانچہ قصر الشمع مین مجوسیون کا ایک عظیم الشان ہیکل تھا جسمین برابر آگ جلتی رہتی تھی، اس ہیکل کے اوپر ایک قبہ بنا ہوا تھا جسے قبۃ الدخان یا دھوان کا قبہ کہا جاتا تھا، جب مسلمانون کے زمانہ مین اس ہیکل کا مجوسیون سے قطع تعلق ہو گیا تو انھون نے اس عبادتگاہ کو مسجد بنا لیا اور اسکو اس کے قدیم نام کی مناسبت سے مسجد الدخان کہنے لگے، ایرانیون نے قصر الشمع کی تعمیر اسلیے کی تھی کہ جب شمسی مہینہ شروع ہوتا اور ان کے علم ہیئت کے لحاظ سے آفتاب ایک برج سے دوسرے برج مین منتقل ہوتا تو وہ اس دن قصر الشمع کی بلندی پر خوب چراغان کرتے تھے تاکہ ملک مین مہینہ کے آغاز کا اعلان ہو جائے،

مصر مین رومیون اور مسلمانون کی آخری یادگار جنگ اسی قلعہ پر ہوئی تھی رومی سات مہینے تک اس مین محصور رہے، پھر جب محاصرے کی سختیان ناقابل برداشت ہوگئین تو ایک پل کو عبور کرکے جزیرۂ روضہ مین چلے گئے، اور مسلمانون کے تعاقب سے بچنے کے لیے پل کو برباد کردیا، فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص فتح قلعہ خالی پاکر فاتحانہ داخل ہوئے اور اس کو مال غنیمت مین شمار کرنے کی بجائے حکومت کے مصالح کے لیے وقف کردیا، چنانچہ مصر مین عباسیون کے ابتدائی دور حکومت مین حکومت کے تمام محکمے اسی قلعہ مین قائم تھے،

پھر انقلاب ایام سے رفتہ رفتہ اس قلعہ پر ادبار آیا، اور جابجا سے قلعہ کے مختلف حصے گرنے لگے، اور اسکی اتھین تیھر اور دیگر سامان شہر مین منتقل کئے جانے لگے چنانچہ شہر فسطاط کی عمارتون کے آثار اور قاہرہ کی قدیم دیوارون مین وہان کے پتھر آج بھی نظر آتے ہین،

دولت فاطمیہ کے اخیر زمانہ مین یہ قلعہ بالکل مسمار ہوگیا، صرف اس کے تین برج اور شہر پناہ کے بعض حصے بطور آثار کے باقی رہ گئے ہین یہ آثار باقیات قلعہ کی اصل عمارت سے جنوب مین واقع ہین جہان گذشتہ زمانہ مین فوج کی چھاؤنی قائم تھی، قلعہ کے اندر شمال مشرق مین ایک وسیع میدان تھا، اس میدان مین آجکل قبطیون، رومن ارتھوڈکس اور کیتھولک فرقے کے قبرستان ہین، اور یہین قبطیون کی مقدس راہبہ ایک علیحدہ چہار دیواری میری جرجس مین آرام کی نیند سوتی ہین،

ان تینون برجون مین سے ایک برج معوقس ہے جو کنیسۂ معلقہ کے سامنے پڑتا ہے، اس برج مین منقش پتھر لگے ہوئے ہین جنکی صنعت قدیم نقش ہیروغلیفی سے ماخوذ ہے، اس کا دروازہ رومانی شکل کا ہے، جسے باب مقوقس سے موسوم کیا جاتا ہے، اس دروازہ کے بعد ایک دہلیز پڑتی ہے، اور دہلیز کے وسط مین مربع شکل کے پتھر کے مختلف ٹکڑون کے چند کھمبے ہین، یہ پتھر ایک دوسرے پر چنے ہوئے معلوم ہوتے ہین اور رخام کے چند ستون پر نہایت باریک صنعت کا رخام

کا ایک ممبر رکھا ہوا ہے، اسکی چھت بھی پتھر ہی کی ہے جو طولاً و عرضاً سنگ مرمر کے ستونون کی چار صف پر قائم ہے، لیکن چھت مین کسی قسم کا نقش و نگار نہین ہے، کچھ زمانہ گذرا کہ نخلہ بک باراتی نے اس کی مرمت کرائی تھی،

قلعہ کا دوسرا برج جو باقی رہگیا ہے وہ بھی برج مقوقس کہا جاتا ہے یہ اسطوانی شکل کا ہے جو کنیسۂ معلقہ کے شمال مغرب مین واقع ہے، اس کا نصف شمالی حصہ جدید عمارتون کے گھیر مین آگیا ہے،

تیسرا برج بھی برج مقوقس کے مشابہ ہے، رومن ارتھوڈکس نے اس برج کے چہار طرف ایک اور برج تعمیر کیا ہے، اس طرح جدید برج قدیم رومانی برج پر محیط ہوگیا ہے، اس جدید برج مین ایک گرجا میری جرجس کے نام سے بنایا گیا ہے، ان برجون کے علاوہ ایک قدیم رومی دروازہ بھی ہے، میری جرجس کا راستہ اسی دروازہ سے ہوکر گذرتا ہے،

غرض رومیون کے عظیم الشان قلعہ بابلیون کا جو کبھی رومیون کے جاہ و جلال کا مظہر رہ چکا تھا یہ انجام ہوا،

(مقتطف)

ز

مدینۂ منورہ

کا

کتب خانۂ عارف حکمت بک،

تیرہوین صدی ہجری کے اواخر مین عارف حکمت بک ٹرکی کے شیخ الاسلام تھے، وہ کتابون کے بڑے شائق تھے، اور انکا بڑا ذخیرہ ان کے پاس تھا، ۱۲۶۰ھ مین انھون نے یہ تمام ذخیرہ سرزمین پاک یثرب مین استفادۂ عام کے لیے وقف کردیا، اس کتب خانہ مین گیارہ بارہ ہزار سے زیادہ کتابین ہین، جنمین زیادہ تر قلمی کتابین تھین، سات سو خاص شعرائے عرب کے دوادین ہین، یہ کتب خانہ باب جبرئیل کے قریب ایک خوبصورت عالیشان عمارت مین قائم ہے، کتب خانہ کے اخراجات کیلیے

کتب خانہ کے بانی نے ایک وقف بھی چھوڑا ہے، جس سے اس وقت اس کے اخراجات چلتے ہین، ملازمین کتب خانہ مین سے ناظم اور محافظ اول کی سات سات سو قرش تنخواہین ہین، محافظ دوم کی پانچ سو اور محافظ سوم کی ۵۰۰ قرش تنخواہ ہے، علاوہ ازین محافظ چہارم، جلد ساز، دربان، بہشتی، اور جاروب کش وغیرہ ملازمین کتبخانہ ہین،

اس کتب خانہ کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس مین مطبوعہ کتابون سے زیادہ نایاب، نادر قلمی کتابین ہین اگرچہ ان مین کی اکثر کتابین طبع ہو چکی ہین تاہم کتابت مین خاص امتیاز رکھنے کے ساتھ بعض نسخے تاریخی اہمیت رکھتی ہین جسکی تفصیل پر ذیل کی فہرست سے قدرے روشنی پڑے گی،

(۱) ایک مجلد قرآن مجید شتر مرغ کے چمڑے پر بہترین اندلسی خط مین لکھا ہوا ہے، جسے ۵۰۰ھ مین عبدالرحمن بن علی بن محمد بن مرزوق بن احمد بن مکانس بطلیموسی نے مریہ (اندلس) مین لکھا تھا (۲) اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک تفسیر قرآن ۱۰۶ھ کی لکھی ہوئی کتبخانہ مین محفوظ ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس کے چند اجزا، ضائع ہو گئے ہین (۳) نوین صدی کے مشہور عالم جلال الدین سیوطی کی ایک کتاب محاضرات و محاورات خود انھی کے ہات کی لکھی ہوئی ہے (۴) ایک کتاب افعال ابن القوطیہ بھی نوادر مین ہے جو ۴۰۹ھ کی لکھی ہوئی ہے (۵) ابو اسحاق بن ابی عون البغدادی کی ایک تصنیف کتاب التشبیہات ہے اس کا ایک نسخہ مشرقی خط مین لکھا ہوا اس کتب خانہ مین بھی ہے جسکا سنہ کتابت ۶۹۴ھ ہے (۶) ملا شاہی کا فارسی دیوان بھی اس کتب خانہ مین قلمی موجود ہے، یہ دیوان بہترین خط ابیض مین لکھا ہوا ہے (۷)، رضی الدین محمد بن ابراہیم حنبلی حلبی کی کتاب کتاب الزبد والضرب فی تاریخ حلب بھی یہان قلمی موجود ہے (۸) محمد بن سلام الجمحی کی طبقات القراء (۹) جمال الدین ابو عبیداللہ بن احمد المطری کی کتاب التعریف بما انست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ بھی وہان موجود ہے، کتاب التعریف مین فضائل مدینہ منورہ، فضائل مسجد نبوی صلعم، مدینہ منورہ کی دیگر مسجدون، وادی مدینہ اور وادی عقیق کے حالات، اور حرم کے حدود وغیرہ بیان کئے گئے ہین،

(۱۱) اسی طرح سید محمد کبریت المدنی کی کتاب الجواہر الثمینہ مکتوبہ [illegible]ھ اور انکی کتاب نصر من اللہ وفتح قریب، کا قلمی نسخہ جس مین فضلاء مدینہ کے تراجم مین موجود ہے (۱۲) اسی طرح علامہ ابو الحسن علی بن یحیی بن عیسی بن جزلۃ الطبیب البغدادی کی تقویم الابدان فی تدبیر الانسان کا ایک قلمی نسخہ اور (۱۳) یحیی بن ابی بکر العامری کی غربال الزمان المفتح لسید ولد عدنان کا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے، عامری کی یہ تصنیف امام اسعد یافعی کی مختصر یا ملخص ہے، جس مین بہ ترتیب سنین [illegible]ھ تک کے تاریخی واقعات اور اس زمانہ تک کے مشاہیر کے تراجم بیان کئے گئے ہین، ان کتابون کے علاوہ (۱۴) الراعی الشہیر بابن حداد یردی المتوفی ۱۱۹۵ھ کی البرق المتألق فی محاسن جلق (۱۵) نوین صدی کے ابو البدری دمشقی کی النجوم الزواہر فی معرفۃ الاواخر (۱۶) کتاب مخذرات القصور فی تاریخ اہل العصور لابن قطری الحجازی المورخ المصری المتوفی ۹۵۸ھ اور کتاب ایمان العرب لابی اسحق النجیری الکاتب کا ایک ایک قلمی نسخہ اس کتب خانہ مین موجود ہے،

افسوس ہے کہ بانی کتب خانہ کی آخری عمر کی تمام جمع کردہ کتابین ضایع ہو گئین، کیونکہ ان کا انتقال ایک دوسری جگہ ہوا، اور وہ تمام کتابین جو ان کے پاس تھین، ناقدر دانون کے ہاتھون نہایت سستے دامون فروخت ہو گئین، انھین کتابون مین عربی علم ادب کی مشہور کتاب کتاب الاغانی بھی تھی، یہ وہی نسخہ ہے جو مطبوعہ صورت مین ارباب علم تک پہنچا،

کتب خانۂ عارف حکمت بک کے لیے یہ سخت قابل تاسف امر ہے کہ اسکی فہرست اب تک شائع نہین ہوئی کہ ارباب ذوق مستفید ہو سکین، شاید حجاز کا جدید انقلاب حکومت اس کتب خانہ کو راس آئے، اور علم دوست سلطان ابن سعود کی توجہ اس کتب خانہ کی طرف بھی منعطف ہو جائے،

(الزہراء) "ر"

فنلینڈ مین تعلیمی جدّوجہد

دول یورپ مین فنلینڈ کی عجب مختلف حیثیات ہین، اگر اسے جغرافی حیثیت سے دیکھا جائے،

تو روس کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ وہ ایک صدی پیشتر روس ہی کا ایک حصہ تھا، تا آنکہ جنگ عظیم مین اس کو آزادی حاصل ہوئی، اور وہان ایک مستقل حکومت کی بنا پڑی، اور اگر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالیے تو اُسے سویڈن کا ایک حصہ کہا جائے گا، کیونکہ سب سے پہلے سویڈن والون ہی نے وہان اپنی نوآبادی قائم کی، اور وہان کے باشندون کو علم سے روشناس کیا، چنانچہ ۱۸۰۹ء تک وہان کی ادبی اور تعلیمی زبان سویڈن والون ہی کی زبان تھی، اور اس وقت بھی سویڈن والون کے متعدد تعلیمی انسٹیٹیوشن قائم ہین، اور جب اسکو تعلیمی اعتبار سے دیکھتے ہین تو یورپ کا یہ مختصر حصہ اس حیثیت سے بہت زیادہ ترقی یافتہ نظر آتا ہے، چنانچہ یہان کے باشندون مین ۹۹ فیصدی سے زیادہ تعلیم یافتہ اشخاص ہین، اسی طرح یہان سے جو اخبارات نکلتے ہین ان کی تعداد یہان کی مختصر فہرست کے تناسب سے حیرت انگیز ہے، چنانچہ ۱۹۲۳ء مین فنلینڈ کی زبان مین ۴، ۲، اخبارات نکلتے تھے اور ۶۹، اخبارات سویڈن کی زبان مین، فنلینڈ، سویڈن کی مشترکہ زبان مین ۹ اور بعض دیگر غیر ملکی زبانون مین ۵ اخبارات شائع ہوتے تھے،

فنلینڈ مین اس وقت تین یونیورسٹیان ہین، ان مین سے سب سے بڑی یونیورسٹی فنلینڈ کے دار السلطنت ہیلسنگفرس مین ہے، یہ یونیورسٹی ۱۶۴۰ء مین شہر ابو مین قائم ہوئی تھی پھر ۱۸۲۸ء مین منتقل ہو کر دار السلطنت مین چلی آئی، یہ حکومت کی طرف سے قائم ہے، اس کے اخراجات خزانہ عامرہ برداشت کرتا ہے، اس مین ۱۹۲۴ء مین تقریباً ۲۷۰ پروفیسر اور ۴۰۹۴ طلبہ تھے جن مین سے ۸۳۰ خواتین تھین، اور باقی دو یونیورسٹیان شہر ابو مین قائم ہین، ان مین سے ایک سویڈن والون کی ہے، جو ۱۹۱۹ء مین قائم ہوئی تھی، اس مین ۵۳ اساتذہ، اور ۴۶۴ طلبہ ہین جنمین سے ۲۰۸ عورتین ہین، دوسری یونیورسٹی فنلینڈ والون کی ہے، یہ ۱۹۲۲ء مین قائم ہوئی ہے، اس مین ۲۰ پروفیسر اور ۱۵۰ طلبہ ہین جنمین سے عورتین ۴۱ ہین، یہ دونون یونیورسٹیان حکومت کے نزدیک تسلیم شدہ ہین، اور حکومت کی طرف سے ان کے فارغ التحصیل طلبہ کو ڈگریان دیجاتی ہین،

وہان کی ان تین یونیورسٹیون کے علاوہ دیگر مدارس کے اعداد و شمار یہ ہین، دار الحکومت مین ایک مدرسہ صرف علم سیاست کی تعلیم کے لیے ہے جسمین ۸۲ اساتذہ اور ۲۰۵ طلبہ ہین، جنمین عورتون کی تعداد ۱۹ ہے، مدارس ثانویہ کی تعداد ۲۰۰ تک پہنچتی ہے، مدارس بحریہ مین صنعت و حرفت کی تعلیم کے لیے ۱۰۰ مدرسے قائم ہین، زراعت کی تعلیم کے لیے ۳۰، مویشیون کی نگہداشت سکھانے کے لیے ۳۶، درختون اور جنگلون کے متعلق ۷ مدرسون مین تعلیم دیجاتی ہے، تجارتی تعلیم کے لیے ۲۰ مدرسے ہین، اور اساتذہ کی تعلیم کے لیے ۸ ٹریننگ اسکول قائم ہین،

یہان آخری جنگ عظیم سے پیشتر زراعتی تعلیم سب سے اہم تصور کیجاتی تھی، لیکن جنگ کے بعد اور وسعت پیدا کیگئی ہے، چنانچہ اب ان یونیورسٹیون مین برقیات، کیمیا، اور ہندسہ وغیرہ خاص توجہ سے پڑھائے جاتے ہین،

(مقتطف) ض

اخبارِ علمیہ

مصری یونیورسٹی کی جدید تعمیرات، مصری یونیورسٹی کی مجلس نے طے کیا ہے کہ یونیورسٹی کے ماتحت ایک قانون کا کالج اور ایک فنون کا کالج قائم کیا جائے، اور یونیورسٹی کے احاطہ مین ایک وسیع کتب خانہ کی بنا ڈالی جائے، اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سب سے پیشتر عمارتون کی ضرورت ہے، چنانچہ وزیرِ تعلیمات کی کوششون سے وزارت مالیہ نے ان دونون کالجون اور کتب خانہ کی عمارتون کی تعمیر کیلئے بجٹ منظور کر لیا ہے، ان عمارتون کے سلسلہ مین ایک وسیع ہال کی تعمیر بھی پیش نظر ہے، جس مین دو ہزار سے زیادہ نشستون کی گنجائش ہوگی، اس سلسلۂ تعمیرات کے مصارف کا تخمینہ ایک لاکھ ۶۰ ہزار پونڈ کا کیا گیا،

تعمیرات کے سلسلہ مین یونیورسٹی کے پیش نظر ایک نئی تجویز بھی ہے، وہ چاہتی ہے کہ یونیورسٹی کے تمام طلبہ اس کے احاطہ کے متصل یکجا اقامت پذیر ہون، اسکو عمل مین لانے کے لیے یہ صورت بہتر سمجھی گئی کہ یونیورسٹی کے احاطہ کے قریب ایک نیا محلہ آباد کیا جائے جو صرف طلبہ کے لئے مخصوص ہو اور اسی مناسبت سے اس محلہ کو "حی الطلبہ" سے موسوم کیا جائے، چنانچہ اس کے لیے بھی وزیر معارف کی مساعی سے یونیورسٹی کے احاطہ کے جنوب مین، ۱۷ ایکڑ خاص سرکاری زمین یونیورسٹی کو ملگئی ہے،

سب سے چھوٹا ہوائی جہاز، حصول تجربہ اور اظہارِ صنعت کے لئے چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہوائی جہاز بطور نمونہ تیار کئے جا رہے ہین، چنانچہ ابھی حال مین ایک سب سے چھوٹا ہوائی جہاز تیار کیا گیا ہے، جسکا

مجموعی وزن صرف ۳۲۰ رطل (پونڈ) یعنی چار من ہے، اس پر صرف ایک آدمی پرواز کر سکتا ہے، اس کے پرواز کی بھی آزمایش کیگئی، جس سے اس کی رفتار ایک گھنٹہ مین ۹۰ میل ثابت ہوئی، جس مین صرف ایک گیلن پٹرول صرف ہوا،

سونے کی کمی روز افزون، ماہرینِ معادن کا خیال ہے کہ مستقبل مین سال بہ سال سونے کی کانون سے سونا دستیاب ہونے مین محسوس کمی ہوتی جاویگی، اس خیال کی تائید مین سنہ ۱۹۱۵ء اور سنہ ۱۹۲۴ء کے اعداد وشمار پیش کئے جاتے ہین، جن سے واضح ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۴ء مین بہ نسبت سنہ ۱۹۱۵ء کے ۸۱ ملین ڈالر (۱۶ ملین پونڈ سے کچھ زیادہ) سونا کم دستیاب ہوا، دونون سال کے اعداد وشمار یہ ہین:-

نام ملک	سنہ ۱۹۱۵ء	سنہ ۱۹۲۴ء ڈالر
جنوبی افریقہ،	۱۸۸۰۳۳۰۰۰،	۱۹۷۹۳۵۰۰۰ ڈالر
ولایات متحدہ امریکہ،	۱۰۱۰۳۶۰۰۰،	۵۰۵۷۰۰۰۰ //
کناڈا،	۱۸۹۷۸۰۰۰،	۳۱۵۳۲۰۰۰ //
اسٹریلیا،	۴۴۹۸۸۰۰۰،	۱۶۸۹۴۰۰۰ //
میکسکو	۶۵۵۹۰۰۰،	۱۶۴۸۰۰۰۰ //
روڈیسیا،	۱۸۹۱۵۰۰۰،	۱۳۰۰۲۰۰۰ //
روس وسائبریا	۲۶۳۲۳۰۰۰،	۱۳۰۰۲۰۰۰ //
برطانوی ہند	۱۲۷۴۹۰۰۰،	۸۱۹۳۰۰۰ //
دوسرے ممالک	۴۷۴۴۵۰۰۰،	۴۲۷۰۱۰۰۰ //
مجموعہ —	۴۷۰۰۲۶۰۰۰ —	۳۸۹۱۷۰۰۰۰ ڈالر،

اس سلسلہ مین ماہرینِ اقتصادیات کے لیے یہ واقعہ اور زیادہ تشویش انگیز ہے کہ ہر سال بازارون سے سونے کی خاصی مقدار لاپتہ ہوجاتی ہے، چنانچہ امریکہ کے اکتشاف کے وقت سے اس وقت تک تقریبًا ۰۰۰۰ ملین پونڈ سونا مختلف کانون سے نکالا جاچکا ہے، لیکن اسوقت بازار مین صرف ۰۰۰ ملین پونڈ باقی ہے، ماہرینِ اقتصادیات اس گمشدگی کا الزام ہندوستان کے سر رکھتے ہین کہ یہین قدیم مشرقی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے سونے کی خاصی مقدار عورتون کے زیورون کے نذر کردیجاتی ہے۔

———.———

تیراک موٹر، اب ایک ایسا موٹر ایجاد ہوا ہے جو خشکی پر بھی چلتا ہے اور پانی پر بھی، خشکی پر ایک گھنٹہ مین اسکی ۳۰ میل رفتار ہے اور جب اسے پانی پر لیجایا جاتا ہے، تو بغیر کسی ردو عمل کے اپنے آپ کشتی بنجاتا ہے، کیونکہ اس کے بنانے مین ایسی رعاتین رکھی گئی ہین کہ پانی پر پہنچتے ہی کشتی کی شکل اختیار کرلیتا ہے، پانی پر اس کی رفتار ایک گھنٹہ مین ۱۲ میل ہوتی ہے،

———.———

زمانۂ جنگ اور مابعد مین مختلف حکومتون کی فوجی طاقت، ذیل کے اعداد و شمار سے زمانۂ جنگ اور مابعد مین مختلف حکومتون کی فوجی طاقت کا موازنہ کیا جاسکتا ہے:-

نام حکومت	جنگ کے زمانہ مین فوج کی تعداد،	۱۹۲۵ء مین فوج کی تعداد،	کیفیت
برطانیہ،	۵۷۰۴۰۰۰،	۲۱۳۰۰۰،	یہان قانونًا جبری بھرتی ہے،
ولایات متحدہ امریکہ،	۳۷۰۷۰۰۰،	۱۳۱۰۰۰،	یہان زمانۂ جنگ مین جبری بھرتی ہوتی ہے،
فرانس،	۷۹۰۰۰۰۰،	۶۲۱۰۰۰،	یہان ہر ایک کے لیے فوجی خدمت لازمی ہے،
جرمنی،	لاتحصی،	۱۰۰۰۰۰،	اب معاہدۂ صلح کے رو سے اسی قدر اجازت ہے،
اٹلی،	۵۶۰۰۰۰۰،	۳۰۸۰۰۰،	یہان ۱۸ مہینہ کے لیے فوجی خدمت لازمی ہے،
روس،	غیر محدود طاقت تھی،	۶۰۰۰۰۰	
پولینڈ،	۵۸۰۰۰۰،	۲۵۷۰۰۰	ہر شخص پر ۲ سال فوجی خدمت لازمی ہے،
جاپان،	۲۰۰۰۰۰۰،	۲۵۲۰۰۰	" " ۳ " " "

———.———

ان حکومتون کے علاوہ دوسری حکومتون کی فوج کی موجودہ تعداد حسب ذیل ہے:-

نام حکومت،	تعداد فوج،	کیفیت
یوگوسلافیہ،	۱۲۸۰۰۰،	یہان فوجی خدمت لازمی ہے،
رومانیہ،	۱۴۶۰۰۰،	" " "
سویڈن	۳۶۰۰۰،	" " "
بلجیم (بلجیکا)،	۸۷۰۰۰،	" " "
بلغاریہ،	۸۱۰۰۰،	معاہدہ صلح کے رو سے
اسپین،	۲۶۲۰۰۰،	یہان فوجی خدمت لازمی ہے،
تشکوسلوفاکیا،	۹۰۰۰۰،	" " "
یونان،	۶۸۰۰۰،	" " "
ترکی،	۱۲۰۰۰۰،	" " "

"ر"

———.———

ادبیات

مسلم سے خطاب

از مولوی سید سراج الحسن صاحب ترمذی وکیل حیدرآباد دکن

اے مسلم غافل دیکھ ذرا قدرت کی نرالی شانون کو   دیتی ہے وہ کیونکر نشو و نما مٹی مین ملا کر دانون کو

جنتی ہے افق پہ جو برق تپان اٹھتی ہے گھٹا سی دود فغان   پھر دیکھ کہ کیونکر ابر رواں کرتا ہے چمن ویرانون کو

تو اپنے تئین وہ چٹان بنا ہلنے مین نہ آئے جسکی بنا   جو کھیل سکے گردابون سے جو جھیل سکے طوفانون کو

عالم کو بنانے پھر ششدر لا بحر سے پھر یکتا گوہر   ہان جلوۂ ہستی پھر دکھلا پھر ہوش مین لا دیوانون کو

پھر نشۂ حب وطن کا اثر پر جوش دلون مین پیدا کر   اس بادۂ تند سے دے چھلکا ملت کے بھرے پیمانون کو

پھر کر دے اجالا ظلمت مین پھر رنگ بدل دے محفل کا   پھر ملت بیضا کو چمکا پھر کعبہ بنا بت خانون کو

توحید کا پہلا نقش ہے تو ہے زینت عالم ذات تری   تو شمع ہے روشن تو نے کیا ظلمت سے بھرے کاشانون کو

آفاق مین تھا شہرہ جنکا انمول جواہر تھے جن مین   اب لوٹ لیا قزاقون نے اسلام کے ان ایوانون کو

جوہر مین تری شوکت کے نہان آثار کہن مین اب بھی نہان   تہذیب کا تو نے درس دیا دنیا مین جہان انسانون کو

ہان گرم کر اپنی محفل کو اور آگ لگا پھر سینون مین   لا وجد مین پھر اک بار ہمین پھر چھیڑ پرانی تانون کو

گرد جہالت کی یہ گھٹا پھر علم کا سورج بنکے نکل   جانون مین جو انکی نور بھرے وہ جلوہ دکھا انجانون کو

ہنگامۂ کوشش گرم کرو اور بازوئے ہمت پھیلاؤ   سینون سے تم اپنے محو کرو ان فخر بھرے افسانون کو

شیوہ ہے ترا گر جانبازی ہو شان تری گر حریت   دے بار غلامی پھینک ابھی آزاد کر اپنے شانون کو

کر حال کو روشن ماضی سے دیکھو کور دلون کو پھر آنکھین   عالم کی پلٹ دے پھر کایا انسان بنا حیوانون کو

دھر کان نہ چکنی باتون پر ان نیلی آنکھون والون کی   الفاظ کے پیچ دعا گون سے یہ باندھتے ہین پیمانون کو

دکھلا دے تماشا آج انھین تو اپنی حیات ملی کا   پھیلا دے جہان باطل مین پھر صدق بھرے اعلانون کو

بغداد کا قصہ چھیڑ کے پھر تو زخم کہن کو تازہ کر   رہنے دے کتاب ماضی مین اس دور کے سب افسانون کو

آتے ہین نرالے جلوے نظر اس جام حجازی مین مجکو   لبریز شراب عرفان سے کر ہند کے سب خمخانون کو

نوائے حزین

جناب حزین نوگانوی صاحب نائب مدیر مجلۂ تعلیم لاہور سیاح ایران

وقت نزع است بگوئید کسے یار مرا   جز وصالش نہ علاجے دل بیمار مرا

شکوہ اے شوخ چہ داری ز سر شک سرخم   آستین کہ زدہ دیدۂ خونبار مرا

تختۂ مشق خودش کردہ طبیب نادان   خواہد آرام شود این دل بیمار مرا

پند زاہد بمن آنیست نہ بندم زنار   خود چرا کار بود رشتۂ زنار مرا

سبحہ سازند و ز مژگان بشمارند ملک   گوہر ریختۂ چشم گہربار مرا

جمعیۃ العلماء کلکتہ کا خطبۂ صدارت

یہ خطبہ جسمین عالم اسلام کے ہر قسم کے مسائل پر غائر نظر ڈالی گئی ہے اور علماء کو موجودہ مذہبی خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے اور ہندوستان مین مسلمانون کے حقوق و فرائض سے بحث کیگئی ہے، نہایت اہم ہے، اکثر شائقین اسکا تقاضا کر رہے ہین، اسلیے ان کو اطلاع دیجاتی ہے کہ دفتر مین اس خطبہ کے تھوڑے سے نسخے باقی ہین، جو اصحاب چاہین، بقیمت منگوا سکتے ہین، قیمت ۸ر ضخامت ۴۰ صفحے

"منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

نظریۂ اضافیت

مصنفہ پروفیسر منہاج الدین صاحب ایم اس سی،

از

مولوی ابو الجلال صاحب ندوی،

آجکل اردو کے مصنفین جس قدر گہرے اور غامض مسائل کی طرف توجہ کر رہے ہین، اس کو دیکھکر ہر علم دوست کو فخر اور خوشی ہوگی، سال رواں کے جدید مطبوعات مین، ہمارے خیال مین جو چیز سب سے گرانقدر ہے وہ پروفیسر منہاج الدین صاحب بی ایس، سی، پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور کی نظریۂ اضافیت ہے، جسمین پروفیسر آئن اسٹائن کی Theory of Relativity کو بیان کیا گیا ہے،

معارف کو فخر ہے کہ اردو مین سب سے پہلے اسی نے اس نظریہ کو پیش کرنے کی عزت حاصل کی، چنانچہ دسمبر ۱۹۲۲ء اور اپریل ۱۹۲۳ء مین اس نے اردو مین سب سے پہلا مضمون شائع کیا، جو پروفیسر نصیر احمد ایم اے سی (جامعۂ عثمانیہ) کا رقمزدہ تھا، پروفیسر موصوف ہی پہلے شخص ہین جنھون نے اسکو "نظریۂ اضافیت" کے نام سے موسوم کیا اور یہی ترجمہ اب بھی صحیح ہے،

اصل کتاب پر اپنے خیالات عرض کرنے سے پہلے بانی نظریہ کا تعارف ضروری ہے، البرٹ آئن اسٹائن ۱۸۷۹ء مین جرمنی کے شہر اُلم مین پیدا ہوا، اور وہین تعلیم پائی ۱۹۰۱ء مین سوئیزرلینڈ گیا جہان

۱۹۰۲ء مین انجنیر مقرر ہوا ۱۹۰۹ء ۱۹۱۲ء ۱۹۱۳ء مین علی الترتیب وہ زیورک یونیورسٹی، پراگ یونیورسٹی اور برلن کے دار العلوم طبیعیات کا پروفیسر مقرر ہوا ۱۹۰۵ء مین اس نے اپنے اس نظریہ کو محدود شکل مین پیش کیا، اور ۱۹۱۵ء مین عام نظریۂ اضافیت کو شائع کیا، اس بنا پر نظریۂ اضافیت کی عمر صرف ۱۰-۱۱ سال کی ہے، پروفیسر منہاج الدین نے اس قدر جلد یہ کتاب شائع کرکے نہ صرف اپنی حاضر دماغی زود قلمی، اور خوش اسلوبی تحریر کا ثبوت دیا ہے، بلکہ السنۂ عالم کے آگے ہماری دلنشین بھاشا اردو کا اعجاز دکھا دیا ہے کہ یہ کم عمر زبان بھی جدید سے جدید اور مشکل سے مشکل خیالات کو اس قدر جلد اپنا لینے کی صلاحیت رکھتی ہے،

رلیٹی ویٹی (RELATIVITY) کا ترجمہ بعض اصحاب نے "انتساب" بھی کیا ہے، مگر پروفیسر نصیر الدین نے اور پھر پروفیسر منہاج الدین نے "اضافیت" کے لفظ کو اختیار کرکے اس نظریہ کو خالص مشرقی تعلیم کے فرزندون کے لیے بھی عام فہم بنا دیا ہے، کیونکہ ہم اپنی پرانی درسی کتابون مین بھی چند اضافی حالتون کو جان چکے ہین، فوق تحت، نیک اور بد، کم اور بیش طول اور قصر وغیرہ بہت سے اضافی اوصاف اور حالات سے ہم بھی واقف تھے، پروفیسر آئن اسٹائن کو ساری دنیا اسی قسم کے اعراض کا مجموعہ نظر آتی ہے، انھون نے آگے بڑھکر حرکت اور سکون، طول اور عرض، وزن اور حجم، وقت اور جگہ غرض اشیائے عالم کے تمام ممیزات کو اضافی حالات قرار دیکر سائنس کی دنیا مین بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا ہے، بطلیموس کا نظام شمسی کب کا تباہ ہو چکا، گر ثابت کا نقشہ کسی نے نہین دیکھا کیونکہ نیوٹن کے قانون تجاذب نے کسی چیز کو اپنی مقررہ جگہ سے جنبش نہین دیا، نظریۂ اضافیت نے سیارون کی کشش کو بھی مہمل قرار دیدیا، لیکن دنیا اپنی حالت پر اب بھی بدستور قائم ہے،

اس نظریہ نے سب سے بڑا کام یہ کیا ہے کہ سائنس کو بھی فلاسفی بنا دیا یعنی طبیعیات والے اب تک اپنے مزعومہ دعوی کو واقعہ اور صحیح واقعہ بنا کر پیش کرتے تھے، مگر نظریۂ اضافیت نے ثابت کر دیا کہ حق اگر

کوئی بات ہے تو مسلمان مولویون کا صرف وہ فقرہ جسے وہ عموماً ہر بات کے جواب مین دہرایا کرتے ہین یعنی

واللہ اعلم بالصواب اصلی بات کو خدا ہی جانتا ہے،

ہمارا کوئی احساس، کوئی علم، کوئی دعویٰ اس سے زیادہ کوئی واقعیت نہین رکھتا کہ ہم کو اور ہمارے ساتھیون کو ایسا ہی محسوس یا معلوم ہوتا ہے،

نظریۂ اضافیت کو پروفیسر منہاج الدین نے دو مقالون پر تقسیم کیا ہے، پہلے مقالہ مین طبیعیات کے کچھ مسائل بطور مبادی کے بیان کئے ہین، دوسرے مقالہ مین خاص نظریۂ اضافیت یعنی یکسان مستقیم حرکت کا بیان ہے، اس مقالہ کا خلاصہ (حتی الوسع خود مصنف کے لفظون مین) حسب ذیل ہے،

حرکت اور سکون

(۱) "سکون اور یکسان مستقیم حرکت کا تصور تصور مطلق نہین ہے بلکہ اضافی ہے"، کیونکہ "ہم جسام کی باہمی اضافی حرکت کو جانتے ہین، حرکت مطلق کے کچھ معنی نہین ہین"، یعنی یہ کہ سکون اور یکسان مستقیم حرکت مین کچھ فرق نہین ہے، "یکسان مستقیم حرکت کا احساس نہین ہو سکتا" اس بنا پر "کسی نظام مرتبی مین کتنے ہی تجربے اور مشاہدے کرین ہمین یہ نہین معلوم ہو سکتا کہ نظام ساکن ہے یا متحرک"،

سائنس جاننے والون کے نزدیک، فضاء بسیط مین جسکو خلا کہا جاتا ہے ایک چیز "اثیر" ہے، جس کے اندر تمام سیارے حرکت کرتے ہین، نہین معلوم کہ اثیر ساکن ہے یا متحرک لیکن "اثیر کی حرکت کا تصور ناممکن ہے" اسلیے گویا "اثیر ساکن ہے"، "اور روشنی ہر حالت مین ۱۸۶۳۳۰ میل فی ثانیہ کے حساب سے سیدھی چلتی ہے" ان دونون باتون کو تسلیم کر لینے کی صورت مین "اثیر مین زمین کی حرکت کا معلوم کرنا بالکل ممکن ہونا چاہیئے"، کیونکہ زمین کی حرکت کی سمت مین روشنی کی رفتار اسکی طبیعی رفتار سے کچھ کم، اور سمت مخالف مین کچھ زیادہ ہونا ضروری ہے، لیکن تجربہ شاہد ہے کہ کوئی آلہ آج تک رفتار زمین کو محسوس نہ کرسکا، کیونکہ زمین کی رفتار کسی قدر یکسان اور مستقیم ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ:-

"دو جسمون پر کوئی ایسا تجربہ نہین ہو سکتا جس سے یہ معلوم ہو کہ ان مین سے ایک جسم ساکن

ہے دوسرا یکسان مستقیم حرکت کے ساتھ متحرک"،

طول اور فاصلہ

"متحرک چیزین ساکن ناظر کو، اور ساکن چیزین متحرک ناظر کو ہمیشہ چھوٹی نظر آتی ہین، طول اور فاصلہ کا صحیح تصور حرکت اور سکون کے تصور کیساتھ وابستہ ہے" "اس بیان کا کوئی مطلب نہین کہ سلاخ کی لمبائی اتنے گز ہے بلکہ اس بیان کے ساتھ ناظر اور شے کی اضافی حرکت کا بیان بھی ضروری ہے"،

وقت اور زمانہ

اسی طرح وقت اور زمانہ کا اختلاف بھی حرکت وسکون اور معیار حرکت کے اختلاف پر مبنی ہے ایک ناظر کو اپنے احساس کی بنا پر کسی دو واقعہ کو ہم وقت سمجھنے سے پہلے یہ بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ وہ ساکن ہو یا متحرک، فرض کرو، سٹرک اب کے عین وسط مین ایک ناظر (ن) کھڑا ہے، اسے اب دونون مقامات پر ایک ساتھ بجلی گرتی ہوئی نظر آئی، اس کے ساتھ یہ بھی فرض کرو کہ عین اس وقت جب (ن نے اب مقامات پر بجلی گرتے دیکھا) ایک دوسرا ناظر ریل مین سوار ہے، ن کے عین مقابل آگیا، کیا یہ بھی دونون واقعات کو ہم وقت سمجھیگا؟ نہین، اسے ب پر گرنے والی بجلی پہلے دکھائی دیگی،

ا ——— م ——— ب
ا ——— ن ——— ب
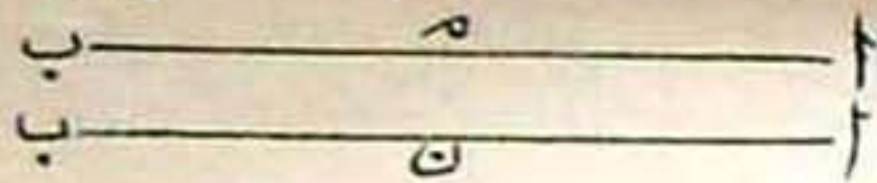
فرض کرو کہ دو ستارے ہم کو ایک ساتھ نظر آئے، ایک ہمارے خیال مین رفتار نور کے حساب سے چار سال کے فاصلہ پر ہے، دوسرا پانچ سال کے فاصلہ پر ہے، ایسی صورت مین ہمارا یہ فیصلہ کہ فلان ستارہ اس وقت سے پانچ سال پہلے طلوع ہوا، اسی وقت صحیح ہوگا جبکہ زمین اور اس تارے کا درمیانی فاصلہ ہمیشہ برابر رہے، فرض کرو کہ تارا زمین کی سمت اور زمین تارے کی سمت جاری ہو تو یہ فیصلہ غلط ہوگا،

غرض اس قسم کی بہتیری دلیلون سے یہ ثابت کیا ہے کہ زمانہ کا تصور بھی ناظر ومنظور کی اضافی حرکتون پر منحصر ہے، "کوئی صاحب کرامت رات کو دنیا کے تمام مظاہر کی رفتار ایک ہزار گنی سست کر دے تو جب ہم سو کر اٹھین گے . . . ہماری گھڑیون کی رفتار بھی ہزار گنی سست ہوگی، انسان کی عمر ہزار گنی ہو جائیگی، مگر انھین احساس اسلیے نہ ہوگا کہ ان کے تمام حواس اسی نسبت سے سست ہو گئے ہونگے،

غرض یہ کہ حجم، طول، کمیت، زمانہ، وقت، سب کا تصور حرکت وسکون کے تصور کے ساتھ وابستہ اور حرکت وسکون اضافی حالات ہین،

نتیجہ غرض، اور طریق بیان، کا فرق الگ کردو تو" یہ اصول نیا نہین بلکہ نیوٹن کے زمانہ سے معلوم مین عرض کرونگا کہ یہ تو امام رازی کو بھی معلوم تھا، بلکہ وہ تو فرماتے ہین،

"تمام انسان اس پر متفق ہین کہ حرکت وسکون کے مفہوم دو مقابل کے مفہوم ہین" (مباحث مشرقیہ قلمی ۳۴۵)

نظریۂ اضافیت کی زبان مین یہی مفہوم یون ہوگا کہ

"حرکت وسکون اضافی حالات ہین"

اس نظریہ مین ہم کو بتایا گیا ہے کہ یکسان اور مستقیم حرکت کو سکون سے ممتاز کرنا دشوار ہے، اسی مفہوم کو ہم اپنی پرانی بولی مین ادا کرین تو یہ کہین گے کہ جسم لگاتار اپنی جگہ کو چھوڑتا جائے اور اسکی وضع نہ بدلتی ہو تو سکون اور حرکت مین فرق کرنا دشوار ہے، امام رازی کے نزدیک سکون کا لفظ دو مفہوم رکھتا ہے،

(۱) ایک شی کا اپنے مکان معین مین ثابت رہنا یا حصول مستمر" (۲) عدم حرکت، حصول مستمر، یا ثبوت مستمر، کو امام صاحب فرماتے ہین کہ نہ حرکت ہے نہ سکون، چنانچہ فرماتے ہین،

کرات افلاک وعناصر کی طرح جو جسم اپنا حیز نہ چھوڑ سکے وہ نہ ساکن ہے نہ متحرک (ر د ص ۴۰۴)

امام صاحب کے نزدیک دنیا مین کوئی جسم ایسا نہین جو اپنی جگہ چھوڑ سکتا ہو، پھر بھی اپنی ہی جگہ پر ہمیشہ رکا رہے، اگر کوئی جسم ایسا ہوتا تو اس کا حصول مستمر بھی، نہ حرکت ہوگا نہ سکون، اور جس طرح دائمی سکون کو سکون کہنا درست نہین، اسی طرح ایسے سلوک[1] مستمر کو بھی جس کے ساتھ تغیر اوضاع[2] پیدا نہو

[1] امام صاحب نے عموماً لگاتار اور متصل حرکت کو جسے نظریۂ اضافیت مین یکسان مستقیم حرکت بتایا گیا ہے اسی لفظ سے تعبیر کیا ہے، مگر یہ کوئی معروف اصطلاح نہین ہے کیونکہ اس زمانہ مین اس حرکت سے کوئی بحث نہ تھی تاہم اس حرکت کا تصور ضرور تھا

امام صاحب نہ سکون بتاتے نہ حرکت،

کوئی محیط آن واحد سے زیادہ جسم کا مماس نہ ہو، مثلاً کوئی جسم جو سیال پانی یا بہتی ہوا مین ہے، جو آب یا سطح فضا اس جسم کو ایک آن سے زیادہ نہین گھیرتا، تو چونکہ اس مین تبدل اوضاع نہین ہے اسلیے وہ متحرک نہین ہے اور چونکہ وہ ایک جگہ پر قائم نہین اسلیے وہ ساکن بھی نہین (ص ۴۰۳)

امام صاحب کے زمانہ مین ریل نہین تھی ورنہ وہ بھی اسی کیفیت اور حالت کا ذکر کر رہے ہین جسے پروفیسر صاحب نے ہم کو یکسان مستقیم حرکت کے ساتھ چلتی ہوئی بند گاڑی مین سمجھایا ہے،

خلاصہ یہ کہ امام صاحب اور نظریۂ اضافیت کے موجد کی اصطلاحین بدلی نہ ہوتین تو دونون کے خیالات مین بہت زیادہ مشابہت تھی، نظریۂ اضافیت مین بتایا گیا ہے کہ ہم صرف اضافی حرکت اور اضافی سکون کو جانتے ہین، غیر اضافی حرکت اور غیر اضافی سکون کو ہم نہین جانتے"، امام صاحب کہتے ہین کہ ہم صرف اس حالت کو سکون کہتے ہین جو حرکت کے مقابل کا مفہوم ہے، اور حرکت وہی حالت ہے جس مین تبدل اوضاع پایا جائے"، چیز کا اپنی جگہ پر مستمراً موجود ہونا، اور بغیر تبدل اوضاع مستمراً چلتے رہنا دونون ایسی حالات ہین، جنکو نہ حرکت کہا جا سکتا نہ سکون، ہمارے نزدیک تو ان دونون دعوون مین صرف یہ فرق ہے کہ امام صاحب نے اس سے وہ نتیجہ نہین نکالا تھا جو پروفیسر آئن اسٹائن نے نکالا،

اسی طرح نظریۂ اضافیت مین "غیر اضافی زمانہ" یا "مطلق زمانہ" سے بھی انکار کیا گیا ہے اور زمانہ کا تصور حرکت اور سکون کے تصور کے ساتھ وابستہ بتایا گیا ہے، ہم ان سب باتون سے الگ الگ واقف تھے، مگر واقف ہونا اور بات ہے اور تسلیم کرنا اور بات" زمانہ مجرد" یا دہر کی مخالفت اکثر متکلمین نے کی ہے

[2] بقیہ حاشیہ صفحۂ قبل) وضع کے لیے اردو مین کوئی لفظ نہین، انگریزی لفظ پوزیشن شاید اس کا مفہوم ادا کرے، عربی کے تین لفظ ہین مکان، حیز، وضع، مکان کی اردو جگہ ہے، وضع اس سے خاص چیز ہے، قلم دان اٹھا کر میز سے زمین پر رکھدو، دوات کی وضع تو نہین بدلی جگہ بدل گئی، وضع خارجی چیزون کی محاذات سے پیدا ہوتی ہے، حیز اس سے بھی خاص چیز ہے، وضع بدل جائے جگہ بدل جائے تو ہرج نہین،

علامہ ابن تیمیہ نے بتایا ہے کہ زمانہ مجرد کا تصور یونانیون کی بہت سی حماقتون مین سے ایک حماقت ہے، وہ تو ہر مفہوم کو اپنی مجرد شکل مین خارج مین دیکھنا چاہتے ہین، حتی کہ ان کے نزدیک خارج مین وہ مجرد اور بے قید انسان بھی پایا جاتا ہے جو نہ زید ہے نہ بکر نہ کوئی دوسرا فرد، وہ حیوان بھی پایا جاتا ہے جو نہ گدھا ہے، نہ آدمی نہ کوئی دوسری نوع وہ ہر کلی کا وجود مانتے ہین، اسی کے ضمن مین وہ زمانہ کی مجرد ہستی کے بھی قائل ہوگئے، متکلمین زمانہ کو صرف حرکت کا دوسرا نام سمجھتے ہین، بہرحال خاص نظریۂ اضافیت کے اکثر مسائل ہماری قدیم مشرقی کتابون مین بھی ملتے ہین، لیکن اسکے یہ معنی نہین ہین کہ یہ نظریہ بہت پرانا نظریہ ہے، بلکہ یہ کہنا ہے کہ اس برگ و بار کا تخم پہلے سے موجود ہے،

تیسرے مقالہ مین عام نظریۂ اضافیت پیش کیا گیا ہے، پہلے باب مین صرف سلوک ستمر کا بیان تھا، اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر قسم کی حرکتین، اقلیدسی دعوی، متکلمین، وزن، قوت، وغیرہ تمام محسوسات اضافی ہین، اس حصہ مین سب سے اہم باب قانون تجاذب کے متعلق ہے،

چوتھے مقالہ مین اس جدید نظریۂ اضافیت کے اصول کے ماتحت دنیا کی ماہیت بتائی گئی ہے،

نظریۂ اضافیت (کتاب) کی خاص خوبی یہ ہے کہ فاضل مصنف نے اس کو اس درجہ آسان بنا کر پیش کیا ہے کہ تھوڑے سے غور کرنے کے بعد ہر پڑھا لکھا آدمی اس کو سمجھ لے سکتا ہے، مشہور ہے کہ اس نظریہ کو سمجھنے والے دنیا مین صرف ۱۲ آدمی ہین، وقت کی وجہ صرف فلسفیانہ طرز بیان، اور اقلیدسی زبان ہوتی ہے، فاضل مصنف نے مسائل کو سمجھانے کے لیے عام طور پر پیش آنے والے حالات اور چیزون سے تمثیل پر اکتفا کیا ہے، جہان کہین ہندسی زبان اختیار کرنا ضروری تھا، وہان اس زبان کو حاشیہ پر استعمال کیا گیا ہے، تاکہ ا، ب، ج کی گتھی سے گھبرانے والے کتاب سے اکتا نہ جائین، اور جنکو اسی مین

بقیہ حاشیہ، چیز اگر بدل گیا تو یا تو چیز فنا ہو جائیگی یا اسکی ماہیت بدل جائے گی، حیز اس فرضی وسعت کا نام ہے جسمین وہ چیز ہے گیند اپنے حیز کو لئے دبے ڈھلکتا ہو، مکان اس خاص جگہ کا نام ہے جہان چیز ہے، وضع اس صورت کا نام ہے جو خارجی چیزون کے تناسب سے پیدا ہوتی ہے،

ملتا ہے، وہ بھی بدخط نہ ہون،

کتاب کے آخر مین اصطلاحات کا ایک انڈکس ہے، ہر انگریزی اصطلاح کے مقابلہ مین اردو اصطلاح لکھی گئی ہے، بہتر یہ تھا کہ انڈکس اردو اصطلاحات کے حروف تہجی کے اعتبار سے تیار کیا جاتا تاکہ ناظرین کو جدید اردو لفظ کا مطلب سمجھنے مین آسانی ہوتی،

بعض بعض مواقع پر ہم کو بعض اصطلاحات کی موزونیت مین شبہہ ہوا، لیکن فاضل مصنف نے شروع ہی مین بتا دیا ہے کہ وہ اس قسم کے مصطلحات کو استعمال کرنے کے لیے کیون مجبور تھے،

زبان کی سلاست، اور دلچسپ پیرایۂ بیان کے لحاظ سے مصنف نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے، حالانکہ یہ نظریہ دنیا کے نہایت مشکل مباحث مین سمجھا جاتا ہے،

ہم کو امید ہے کہ ہمارے علمدوست احباب اس کتاب کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھین گے،

قیمت للعہ، مجلد للعہ، پتہ :- پروفیسر منہاج الدین صاحب ایم اس سی پروفیسر طبعیات، اسلامیہ کالج پشاور

پردۂ غفلت،

مصنفہ جناب عابد حسین صاحب پی، ایچ، ڈی،

پردۂ غفلت ایک تمثیلی افسانہ (ڈرامہ) کا نام ہے، جو گو اردو زبان مین ہے مگر لکھی گئی ہے ایک ہندوستانی کے قلم سے جرمنی مین بیٹھکر، اور وہین ایک ایرانی مطبع شرکت کاویانی (برلن) مین ٹائپ مین چھپی ہے، جس ماحول اور جس سرزمین، اور جس آب و ہوا مین یہ افسانہ لکھا گیا ہے، اس کا نتیجہ ہی یہ سمجھنا چاہیے کہ اس مین ہندوستان کے موجودہ رسم و رواج پر یورپ کے نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہوگی، اس افسانہ کا موضوع یہ ہے کہ قدامت پرستی اور روشنخیالی کے درمیان اس طرح محاکمہ کیا جائے کہ قدامت پرستی کو شکست اور روشنخیالی کو فتح نصیب ہو، اس سلسلہ مین سنجیدگی کے ساتھ مشترکہ خاندان کے برے نتائج، "قدامت پسند جماعت" اور "روشن خیال" طبقہ کے اختلاف خیال، مثلاً تعلیم نسوان، آزادی نسوان،

اور ہندوستان مین موجودہ پردے کے معائب ومحاسن این سے "روشنخیال" طبقہ کی تائید ہوگئی، ڈرامہ مین ظرافت کے کیرکٹر کی بھی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، ڈرامہ مختلف حیثیات سے مختلف ہو طرز نگارش مین نہایت کامیاب اور اصلاح کی طرف اس کا اقدام ایک امر مستحسن ہو کر زبان کے اعتبار سے اب ایسے ہی ڈرامون کی ملک کو ضرورت ہو جو حشو وزوائد اور تکلفات لفظی سے مبرا ہون، طباعت وغیرہ کی حسن وخوبی عیان ہو کر جرمنی کے شرکت کاویانی مین خاص اہتمام سے وہ چھاپی گئی ہے، لیکن اگر اسکے مغز ومعانی کا لحاظ کیا جائے تو اسلامی نقطۂ نظر سے اسے کسی طرح کامیاب ڈرامہ نہین کہا جاسکتا، کیونکہ اس کے باوجود بھی کہ "قدامت پرستی" "جہل وتعصب" کا ایک کرشمہ ہے اور "روشن خیالی" قوم کو "معراج کمال" تک پہنچائیگی، "روشن خیالی" پیدا کرنے کے لیے یورپ کی تقلید مین عورتون کو اس حد تک توآزادی نہین دیجاسکتی کہ شادیون سے پیشتر منگیترین اپنے بَرون سے ارتباط پیدا کرکے دولان بے حجابا ملین جلین اور کورٹ شپ کا فرض انجام دین، اسی طرح ڈرامہ مین عورتون کے پردہ کا سوال اور اس بحث پر کوئی تفصیلی گفتگو موجود نہین، صرف موجودہ طریقہ پر اظہار نفرت اور سعیدہ کو بے نقاب فینس پر بٹھادیا گیا ہے، حالانکہ اگر اس کیرکٹر کو پیش کرنا تھا تو اس پر اسلامی، اور اگر اسلامی نہین تو اخلاقی یا کسی نقطۂ نظر سے بحث کرلیجاتی، دوسرے پردہ کا مسئلہ ایک فرسودہ وپامال مسئلہ ہے، اگر قوم کے "جہل وتعصب" سے اس مین تعویق ہے تو عام تعلیم کی اشاعت کی پہلے فکر کیجائے کہ ارتفاع جہل کے بعد ممکن ہے مقصود حاصل ہو، اور تعلیم نسوان کے سلسلہ مین یہ بھی صحیح نہین کہ ہندوستان کی شریف خواتین صرف یورپین لیڈیون ہی سے درس لے سکتی ہین اگر ایسا نہین تو ڈرامہ مین صرف یہی شکل کیون نمایان ہے؟ حقیقت یہ ہو کہ یورپ کے موجودہ تمدن ومعاشرت ہمارے دماغون پر مستولی ہے اسلیے ان کے معائب پر نظر نہین پڑتی، مسلمانان ہند "قدامت" اور "روشن خیالی" کی ربع صدی کی جنگ سے اس حقیقت تک پہنچ چکے ہین کہ یورپ کی تہذیب ومعاشرت سرآنکھون پر

لیکن اسی حد تک جب تک اسلام کے تمدنی ومعاشرتی نقطۂ نظر کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، امید ہے کہ یورپ کی واپسی کے بعد اب جناب مصنف مین خود قدامت پسندی اور روشنخیالی کے درمیان اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کریگی، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۴۶ صفحے، قیمت عہ، پتہ:- شرکت اودبیہ علیگڈہ یا مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

"ر"

مطبوعاتِ جدیدہ

تجوید مشہدی و لنواز مبتدی، عربی مین علم تجوید پر بیشمار تصنیفات ہین، جنمین سے بعض کتابین اردو مین بھی منتقل ہو چکی ہین، اور پھر ہندوستان کے بعض قرا نے اس فن پر بعض مستقل رسالے بھی لکھے، لیکن اردو کی یہ کتابین گرچہ فن تجوید کے اعتبار سے بلند پایہ ہین تاہم ضرورت تھی کہ عام اردو خوان طبقہ کیلئے کسی مختصر رسالہ مین سلیس، عام فہم زبان مین اس کے مسائل یکجا کر دیے جائین، جناب مولوی حکیم سید تجمل حسین صاحب مشہدی نے یہی مقصد پیش نظر رکھ کر زیر تبصرہ رسالہ لکھا ہے، جسمین علم تجوید کے مسائل سوال و جواب کی صورت مین پیش کئے گئے ہین جس سے اُمید ہے کہ مسائل جلد ذہن نشین ہون گے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۹۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، جناب مؤلف سے حکمت منزل، محلہ سبزی محل شہر بھروچ علاقہ بمبئی کے پتہ سے ملسکتی ہے،

تاریخ دریاآباد، جناب منشی برج بھوکن لال صاحب محب نے اپنے وطن دریاآباد ضلع بارہ بنکی (اودھ) کی نہایت مفصل تاریخ لکھی ہے، یہ تاریخ، اودھ کی مختلف کتب جغرافیہ و تاریخ، فرامین شاہی، دستاویزات، مختلف رودادون، یادداشتون، شاہی زمانہ کے مختلف عدالتی کاغذات اور گزٹیر وغیرہ کی مدد سے مرتب کیگئی ہے، کتاب پانچ ابواب پر اور ہر باب متعدد فصلون پر منقسم ہے، جسمین دریاآباد کے جغرافی و تاریخی حالات بیان کرکے وہان کے پنڈت، علماء، ذی علم اصحاب، مختلف زبانون کے شعراء، اطباء، ڈاکٹر، وکلا، فقرائے ہنود، فقرائے اسلام، روسا، معززین، اساتذہ فن موسیقی، تجار، اور قصبہ کے موجودہ مشاہیر کے حالات اسی ترتیب سے بیان کئے گیے ہین، اور آخر مین پرگنہ دریاآباد کے جغرافی و دیگر حالات ہین، اس کتاب سے

اودھ کی دیہی معاشرت، تمدن اور وہان کے دیگر حالات پر روشنی پڑتی ہے، جناب مؤلف لائق ستائش ہین کہ انھون نے اپنے وطن کی نمایان خدمت انجام دی، اور ایک مختصر قصبہ کے متعلق اس قدر بسیط معلومات یکجا کر دیے، حجم بڑی تقطیع پر باریک لکھائی مین ۲۳۱ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت تے پتہ:۔ منشی لکھن بہاری لال صاحب آنریری سکریٹری گئوشالہ دریاآباد بارہ بنکی،

تحقیق واقعات کربلا، جناب مولوی خادم حسین صاحب بھیروی احمدی نے زیر تبصرہ کتاب مین شیعون کی مستند کتابون کو ماخذ قرار دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام، حضرت امام حسنؑ اور خصوصاً حضرت امام حسین علیہ السلام کو جتنے مشکلات پیش آئے، وہ شیعون کے ہاتھون پیش آئے، خصوصاً واقعہ کربلا کی تمام تر ذمہ داری شیعیان آل اطہار ہی پر ہے، پھر آخر مین شیعون ہی کی کتابون سے یہ دکھانا چاہا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ یزید کی مرضی کے برخلاف ہوا، اسلیے واقعہ شہادت کی ذمہ داری اس پر اس قدر نہین جتنی ابن زیاد اور ذی الجوشن وغیرہ پر ہے، تحریر کا لب و لہجہ نرم اور اسلوب بیان مین نہایت سنجیدگی ہے، جو لائق ستائش ہے، حجم ۱۵۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی ہے قیمت عہ پتہ:۔ مہتمم احمدیہ بک ڈپو ۲۷، کوچہ چابک سواران، لاہور،

نقادی کے نکتے، ہندوستان مین چند سالون سے "فنون لطیفہ" سے زیادہ دلچسپی پیدا ہوگئی ہے، اسی کا نتیجہ زیر تبصرہ رسالہ ہے، جس مین جناب چودھری محمد علی صاحب تعلقدار امیر پور رودولی نے "فنون لطیفہ" مین سے "فن مصوری" پر تنقیدی نظر ڈالی ہے، اور بتایا ہے کہ کسی تصویر کے حسن و قبح مین امتیاز کرنے کے لیے کن "نکات" کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، شاید اردو مین یہ نقش اول ہو، اس لیے جو کچھ بھی ہے بہتر ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر اچھی لکھائی چھپائی کے ساتھ ۸۴ صفحے اور کاغذ بھی عمدہ ہے، قیمت ۸ر پتہ:۔ تعلقدار پریس لکھنؤ،

خیر المصادر، چند سال گذرے کہ جناب مولوی حکیم محمد حنیف صاحب دیسنوی بہاری نے مبتدیون کے لیے فارسی زبان کے علم صرف کے مسائل جمع کرکے "خیر المصادر" کے نام سے شائع کیا تھا اب جناب مؤلف نے طبع ثانی مین "خیر المصادر" پر "خیر القواعد" کا اضافہ کیا ہی جس مین اسی جامعیت کے ساتھ علم نحو کے مسائل جمع کئے گئے ہین، رسالہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ طلبہ کو فارسی کے تمام مسائل اردو کی مثالون کے ذریعہ سمجھائے گئے ہین، جس سے یہ مسائل خوبی اور آسانی کے ساتھ طلبہ کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ حجم ۸۴ صفحے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۶ر پتہ :- مولوی محمد حنیف صاحب دیسنہ ڈاکخانہ استھاواں ضلع پٹنہ

نکاح آریہ، مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے رسالہ "نکاح آریہ" مین آریون کی مذہبی کتابون سے اخذ کرکے مذہب آریہ کے مسائل متعلقہ نکاح پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اسلام کے مسائل نکاح کی خوبیان دکھائی ہین، ممکن ہے کہ جناب مؤلف اپنے مقصد مین کامیاب ہون، لیکن اسلوب بیان مین وجادلہم بالتی ھی احسن کا اصول فراموش کردینے کی وجہ سے اسلامی سکینہ و وقار کا دامن ہاتھون سے جاتا رہا ہے، حجم ۹۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہی، قیمت ۵ر پتہ دفتر اہلحدیث امرتسر

بہشتی جھومر یا اسباق النسوان، جناب محمد مرزا خانصاحب دہلوی نے تعلیم یافتہ خاتون کے لیے زیر تبصرہ رسالہ لکھا ہے، جس مین ناصحانہ انداز مین عورتون کو اخلاق حسنہ پیدا کرنے اور زندگی بسر کرنے کے چند اصول مثلاً "زود اعتمادی کے برے نتائج" "غیر مستقل مزاجی کی خرابیان" اور "اخلاقی حس کو ہمیشہ متاثر رہنا چاہیئے" وغیرہ سمجھائے گئے ہین، حجم ۲۰ صفحے، لکھائی، چھپائی اچھی اور کاغذ چکنا ولایتی ہے، قیمت ۸ر پتہ :- مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ، حیدرآباد دکن،

خیر الدین، مسلمانون کے ایک مخصوص طبقہ مین یہ خیال قائم ہو گیا ہے کہ دین و دنیا باہم مجتمع نہیں ہو سکتے، جناب مولوی ابو الخیر صاحب پی ایچ ڈی نے رسالہ "خیر الدین" مین قرآن مجید کتاب و سنت کی روشنی مین اس خیال کی تردید کی ہے، رسالہ کے چند عنوان یہ ہین، اسلام و رہبانیت "ترک و تجرد" "تعلیم دین و دنیا" دور اول کے مسلمان، مسلمانون کے تخلیق معاشرت اسلامی وغیرہ، رسالہ عام مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہے، حجم ۴۰ صفحے کاغذ، لکھائی چھپائی متوسط ہے، قیمت ۳ر جناب سید احمد عالم صاحب ہمانندہ ورنگل حیدرآباد دکن سے طلب کرنا چاہئے

عدد ششم	ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ جون ۱۹۲۶ء	مجلد ہفدہم

مضامین